خطباتِ فقیر

جلد ۲۰

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مجددی مدظلہم

مرتب

مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

نام کتاب ——— خطباتِ فقیر (جلد ۲۰)

ازافادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— مولانا محمد حنیف نقشبندی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اوّل ——— اکتوبر 2009ء

اشاعت دوم ——— نومبر 2009ء

اشاعت سوم ——— مئی 2010ء

تعداد ——— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— ڈاکٹر شاہد محمود عفی عنہ

فہرست

❁❁❁❁

عرضِ ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطباتِ فقیر کے عنوان سے 1996ء بمطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ بیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلند تر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیاناتِ حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پروازِ فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقولِ شاعر ؎

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

چونکہ یہ صاحبِ دل کی بات ہوتی ہے اس لیے دلوں میں اثر کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت کے بیانات کو ایک قبولیتِ عامہ حاصل ہے۔ حضرت کے بیانات سے علما بھی مستفید ہوتے ہیں عوام بھی مستفید ہوتے ہیں۔ بڑے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، چھوٹے بھی سبق حاصل کرتے ہیں۔ مردوں کے دل کی دنیا بھی بدلتی ہے، خواتین کی

بھی اصلاح ہوتی ہے۔ غرض کہ ہر طبقے کے انسان کے لیے یہ خطبات مشعل راہ ہیں۔

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کیا کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکر مند کیا جائے اورانہوں نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے ہیں، انہیں موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔ قارئین کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعہء خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحر معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہل دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت اور حلاوت و ذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہل ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لیے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تازیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سر انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہء جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ
خادم
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فقیر کو جب عاجز کے شیخ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی مجددی نور اللہ مرقدہ نے اشاعت سلسلہ کے کام کی ذمہ داری سونپی تو ابتدا میں چند دن اپنی بے بضاعتی کے احساس کے تحت اس کام کے کرنے میں متذبذب رہا، لیکن حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھانپ لیا، چنانچہ فرمایا کہ بھئی تم نے اپنی طرف سے اس کام کو نہیں کرنا بلکہ اپنے بڑوں کا حکم پورا کرنا ہے، کیوں نہیں کرتے؟ مزید فرمایا کہ جب بھی مجلس میں بیان کے لیے بیٹھو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، بڑوں کی نسبت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ چنانچہ حضرت کے حکم اور نصیحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندہ نے وعظ و نصیحت اور بیانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوئی، حلقہ بڑھتا رہا اور الحمد للہ شرکاء کو کافی فائدہ بھی ہوتا کیونکہ ان کی زندگیوں میں تبدیلی عاجز خود بھی دیکھتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد چہار اطراف سے بیانات کے لیے دعوتیں آنے شروع ہو گئیں۔ شیخ کا حکم تھا، سرتابی کی مجال کہاں؟ جب بھی دعوت ملی رختِ سفر باندھا اور عازمِ سفر ہوئے۔ اس کثرت سے اسفار ہوئے کہ بعض اوقات صبح ایک ملک، دوپہر دوسرے ملک اور رات تیسرے ملک میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ملکوں کو محلّہ بنا دیا۔ اِس ناتواں میں یہ ہمت کہاں؟...... مگر وہ جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔ بقول شخصے ع

''قدم اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں''

حقیقت یہ ہے کہ یہ میرے شیخ کی دعا ہے اور اکابر کا فیض ہے جو کام کر رہا ہے، و اما بنعمة ربك فحدث۔

بیانات کی افادیت کو دیکھتے ہوئے کچھ عرصے بعد جماعت کے کچھ دوستوں نے ان کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کا سلسلہ شروع کیا، مکتبۃ الفقیر نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی، یوں خطبات فقیر کے عنوان سے نمبروار یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ یہ عاجز کئی ایسی جگہوں پر بھی گیا جہاں یہ خطبات پہلے پہنچے ہوئے تھے اور وہاں علما طلبا نے کافی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

ان خطبات کے مطالعے میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، ان میں علمی غلطی یا بھول کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس لیے معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ دعا ہے کہ جو حضرات بھی ان بیانات کی ترتیب و اشاعت میں کوشاں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں اپنی رضا اپنی لقا اور اپنا مشاہدہ نصیب فرمائیں اور عاجز کو بھی مرتے دم تک اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كان الله له عوضا عن كل شيء

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۝﴾

(البقرۃ:۱۶۵)

جذبہ محبتِ الٰہی

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم

اقتباس

یہ محبتیں اللہ کی عبادت اور بندگی میں رکاوٹ نہیں بنی چاہئیں۔ اگر کہیں کوئی محبت رکاوٹ بنے گی تو پھر اس پر پاؤں رکھ کر ہمیں آگے قدم بڑھانا ہوگا۔ تو یہ محبتیں اس وقت تک سلامت ہیں، ٹھیک ہیں، اچھی ہیں، جب تک اللہ رب العزت کی نسبت سے ہیں۔ اللہ کی محبت کی بنا پر...... اصل محبت کس کی دل میں ہو؟ پروردگار عالم کی۔

محبت الٰہی کی مثال یوں سمجھیے! کہ یہ ایک درخت کا Stem (تنا) ہے اور باقی اس کی برانچز (شاخیں)۔ صاف ظاہر ہے کہ جو برانچ اپنے تنے سے جدا ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ ہری بھری نہیں رہتی بلکہ مرجھا جاتی ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

جذبہ محبت الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ○ ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

کشش اور محبت میں فرق:

اللہ رب العزت نے کائنات کی تمام چیزوں میں ایک دوسرے کی طرف میلان رکھا ہے۔ یہ میلان اگر بے جان چیزوں میں ہو تو کشش کہلاتی ہے۔ جیسے کشش ثقل یا گریویٹیشنل فورس۔

سائنس کا ایک چھوٹا سا طالب علم بھی جانتا ہے کہ Planets (سیارے) ایک دوسرے کو اپنی طرف Attract (کھینچتے) کرتے ہیں۔ یہ میلان جو بے جان چیزوں کا ایک دوسرے کی طرف ہے یہ کشش کہلائے گا۔ اور یہی میلان اگر جاندار لوگوں کا ہو تو اس کو محبت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

محبت کی علامت:

محبت کی علامات یہ ہوتی ہیں کہ طبائع ایک دوسرے کی طرف رغبت رکھتی ہیں۔ ایک دوسرے سے بات کرنے میں مزا آتا ہے، مل بیٹھنے میں مزا آتا ہے۔ حال احوال

کہنے، سننے میں مزا آتا ہے۔ اور اگر کبھی اس سے جدا وقت گزارنا پڑے تو انسان اس کی کمی کو محسوس کرتا ہے۔

محبت کی سمت کیا ہو؟

یہ محبت انسان کو مخلوق سے بھی ہوتی ہے اور پروردگار سے بھی۔ اگر مخلوق سے یہ محبت نہ ہو تو انسان معاشرے میں زندگی گزار ہی نہیں سکتا۔ معاشرے میں ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ان محبتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ماں باپ سے محبت، اپنے استاذ سے محبت، پڑوسی سے محبت، رشتہ داروں سے محبت۔ یہ تمام وہ محبتیں ہیں کہ جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اسی وجہ سے انسان دوسرے کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہے اور دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان بیمار لیٹا ہوا ہوتا ہے اور تیماردار ساری رات جاگ کر اس کے قریب گزارتا ہے۔ اگر یہ محبتیں نہ ہوتیں تو دنیا میں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوتا۔ انسانیت کا جو امتیاز ہے وہ امتیاز شاید باقی نہ رہتا۔

لیکن ایک اصول وضع کر دیا گیا کہ یہ تمام محبتیں دل میں ہوں تو سہی، مگر ان کی ڈائریکشن (سمت) ٹھیک ہونی چاہیے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے۔

Its not the distance which counts its direction.

(فاصلے کی کوئی پروا نہیں ہوتی سمت کو دیکھا جاتا ہے۔)

صحیح سمت کو انسان قدم بڑھا رہا ہے تو بالآخر اسے جلد یا بدیر اپنی منزل تک پہنچ جانا ہے اور اگر سمت ہی ٹھیک نہیں تو جتنا ہی تیز رفتار ہو پھر بھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

تو اللہ رب العزت نے اس محبت کو Scalar Quantity (غیر سمتی مقدار) نہیں بنایا کہ جدھر جی چاہے انسان اپنے دل کو اٹکا بیٹھے، بلکہ اس کو vector

Quantity (سمتی مقدار) بنایا۔اس کا Magnitude بھی ہے اور ڈائریکشن بھی۔ڈائریکشنز اللہ رب العزت کے لیے۔چنانچہ ہم جو کلمہ پڑھتے ہیں:

لا الہ الا اللّٰہ

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

تو اس کا نچوڑ یہ ہوتا ہے سینٹرل آئیڈیا یہ ہوتا ہے کہ انسان مخلوق سے کٹے اور اللہ رب العزت سے جڑے اور پھر اللہ رب العزت کی نسبت کے ساتھ مخلوق سے تعلقات قائم کرے۔

محمود اور مذموم محبتیں:

جب یہ اللہ رب العزت کی نسبت سے ہوں گے تو یہ تعلقات عبادت بن جائیں گے۔اور اگر اپنے نفس کی خواہشات کی وجہ سے ہوں گے تو گناہ بن جائیں گے۔یہ لائن آف ڈیمارکیشن ہے، جو ان دونوں کے درمیان ہے۔اگر ان محبتوں کی ڈائریکشن اور نسبت اللہ رب العزت کی وجہ سے ہے تو اللہ رب العزت کے یہ مقبول ہے۔حتی کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

((هُمُ الْمُتَحَآ بُّوْنَ فِي اللّٰهِ))

''اللہ کے لیے وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے۔''

قیامت کے دن جب عرش کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا تو وہ دو بندے جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے ان دونوں کو اللہ اس محبت کی وجہ سے جنت میں داخلہ عطا فرما دیں گے۔تو یہ محبتیں محمود ہیں اگر اللہ رب العزت کی نسبت کی وجہ سے ہوں۔اور اگر اپنی خواہشات نفسانی، اپنے فائدے اور دنیاوی اغراض کے لیے ہوں تو یہ مذموم بن جائیں گی۔

پہلی صورت کو انسان عشقِ حقیقی کہتا ہے۔اور دوسری صورت کو دنیا عشقِ مجازی

کہتی ہے۔ ہے تو عشق ہی..... چونکہ ڈائریکشن کا فرق ہو گیا اور اسی وجہ سے منزلیں مختلف ہو گئیں۔

محبتِ الٰہی کی چھتری:

قرآن مجید میں چیزوں کی اور لوگوں کی محبت سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کی اَحَبِّیَّت سے منع کیا گیا۔ احبیت کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ محبتیں اللہ کی محبت پر غالب نہیں ہونی چاہئیں۔ بلکہ ماتحت ہونی چاہئیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُنِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾

’’کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، برادری، وہ مال جو تم نے کمایا، وہ تجارت جس کے ختم ہونے کا تمہیں ڈر ہے، اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے‘‘

یہ تمام محبتیں اگر اللہ رب العزت کی محبت......اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی محبت پر غالب آجائیں تو پھر تم اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام محبتیں ہونی چاہئیں مگر اللہ کی محبت کی ’’Umbrella‘‘ (چھتری) کے نیچے، یعنی اس کے تحت ہونی چاہئیں۔ پھر تو یہ ٹھیک

ہیں۔اس لیے پھر انسان ان محبتوں سے زندگی گزارے گا تو نیکی کمائے گا لیکن جہاں دیکھے کہ یہ اللہ کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں تو اب حکم ملے گا کہ اگر یہ تمہارے راستے میں آئیں تو پاؤں کی ٹھوکر لگا کر آگے نکل جاؤ۔منزل مقصود کچھ اور ہے۔

یہ محبتیں اللہ کی عبادت اور بندگی میں رکاوٹ نہیں بنی چاہئیں۔اگر کہیں کوئی محبت رکاوٹ بنے گی تو پھر اس پر پاؤں رکھ کر ہمیں آگے قدم بڑھانا ہوگا۔تو یہ محبتیں اس وقت تک سلامت ہیں، ٹھیک ہیں، اچھی ہیں، جب تک اللہ رب العزت کی نسبت سے ہیں۔اللہ کی محبت کی بناپر...... اصل محبت کس کی دل میں ہو؟ پروردگار عالم کی۔

محبت الٰہی کی مثال یوں سمجھیے! کہ یہ ایک درخت کا Stem (تنا) ہے اور باقی اس کی برانچز (شاخیں)۔صاف ظاہر ہے کہ جو برانچ اپنے تنے سے جدا ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ ہری بھری نہیں رہتی بلکہ مرجھا جاتی ہے۔برگ وبار سے محروم ہو جاتی ہے۔اسی طرح جب بھی کوئی محبت اللہ رب العزت کی نسبت سے کٹ جائے گی تو وہ انسان کے لیے نقصان کا باعث بن جائے گی۔ایک ہی محبت ہے جو غالب ہے۔

محبتِ الٰہی نیوکلیس کی مانند ہے:

حدیث پاک میں فرمایا گیا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ))

''جس نے دیا اللہ کے لیے، نہ دیا اللہ کے لیے، کسی سے محبت کی تو اللہ کے لیے اور اگر کسی سے دل میں بغض رکھا تو بھی اللہ کے لیے تو اس بندے نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔''

یعنی محبت الٰہی ایک سنٹر ہے، ایک نیوکلیس ہے اور باقی محبتیں اس کے گرد Orbit (مدار) میں Revolve (گھوم) رہی ہیں۔جب تک مدار میں چل رہی

ہیں تب تک تو ٹھیک ہیں۔ جب اس نیوکلیس سے ہٹیں گی تو پھر یہ محبتیں انسان کو نقصان دینے والی بن جاتی ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

''ایمان والوں کو اللہ رب العزت سے شدید محبت ہوتی ہے۔''

محبت کے مدارج:

یہاں سے معلوم ہوا کہ محبت کے بھی مدارج ہیں۔ جس طرح آپ پینے کے لیے پانی مانگتے ہیں اور سادہ پانی اٹھا کر آپ کو دے دیا جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں یہ گرم ہے، حالانکہ وہ گرم نہیں ہوتا۔ لیکن وہ اتنا ٹھنڈا بھی نہیں ہوتا جتنا آپ چاہتے ہیں۔ آپ تو ریفریجریٹر کا پانی پینا چاہتے ہیں۔ اس نے آپ کو ٹونٹی کا پانی لا کر دے دیا۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ گرم پانی لائے ہیں۔ اب لفظ آپ نے گرم استعمال کیا، لیکن گرمی کا اپنا ایک معیار ہے۔ پھر آپ وضو کے لیے پانی لینا چاہتے ہیں۔ اب اگر آپ کو ٹیپ واٹر دیا جائے تو آپ کہتے ہیں کہ جی! گرم ہونا چاہیے یعنی گرمی کی شدت ذرا زیادہ چاہیے۔ اگر آپ چائے کے لیے پانی منگواتے ہیں تو اگر وہی پانی آپ کو دیا جائے تو آپ اس سے زیادہ گرم چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ کم گرم ہے۔ تینوں صورتوں میں آپ نے گرم کا لفظ استعمال کیا۔

پینے کا پانی، یہ گرم ہے...... وضو کا پانی، یہ گرم ہے...... چائے کا پانی، یہ گرم ہے۔ مگر تینوں کی گرمی کی جو ڈگری ہے (ڈگری آف ہاٹ نیس) وہ سب کی ڈفرنٹ ہے۔ اس کو شدت کہتے ہیں۔

محبت الٰہی کا بیج:

ہر مومن کے دل میں جس نے بھی کلمہ پڑھا ہے، اللہ رب العزت کی محبت کا بیج

موجود ہے۔کتنا ہی غافل کیوں نہ ہو! کس قدر بے عمل ہی اس کی زندگی کیوں نہ ہو، دن رات گناہوں میں گزرے لیکن وہ کلمہ پڑھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کے اندر محبت الٰہی کا بیج موجود ہے۔لہٰذا اس کو مناسب Environment (ماحول) ملنا چاہیے۔پھر یہ بیج پھلے پھولے گا، اور پھل پھول لگائے گا۔

ہاں! انسان جس ماحول میں رہے، اور جیسے عمل کرے پھر اس محبت کی کیفیت میں شدت آتی چلی جاتی ہے۔بڑھتی چلی جاتی ہے۔

محبت والوں کے محبت بھرے اعمال:

جن کو آج ہم اولیاء اللہ کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس محبت کی Maximum degree of hotness (گرمی کی زیادہ سے زیادہ شدت کو) حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ان کو سینے میں اللہ کی محبت کی ایک حرارت محسوس ہوتی ہے۔وہ محبت کی گرمی انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔وہ ہر وقت عمل کے لیے برانگیختہ ہوتے ہیں۔وہ ہر وقت ایک موٹی ویشن (تحریک) محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔چنانچہ وہ فجر کی نماز پڑھتے ہیں تو ظہر کا انتظار ہوتا ہے......ظہر پڑھتے ہیں تو عصر کا، ان کو اللہ کے حکموں پر عمل کرنا بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ محبت میں وہ اس پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔اپنی طرف سے وہ اعمال بھی کرتے ہیں اور اوپر سے اللہ رب العزت کا احسان بھی مان رہے ہوتے ہیں کہ اے مالک! یہ تیرا احسان ہے کہ تو نے ہمیں توفیق دی ہوئی ہے۔ان کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ کہنے والے نے کہا: ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی

منت ازو شناس کہ درخدمت گزاشتند

اے دوست! تو بادشاہ پر احسان نہ چڑھا کہ تو اس کی خدمت کرتا ہے۔ ارے! بادشاہ کی خدمت کرنے والے لاکھوں! یہ تو بادشاہ کا احسان ہے کہ جس نے

تمہیں خدمت کے لیے چن لیا ہے۔ تو ایسا بندہ جب اللہ کی عبادت میں زندگی گزارتا ہے تو اس کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتا ہے اور احسان بھی پھر اسی پرودگار کا مانتا ہے۔ یہ محبت کی شدت ہے اور اللہ رب العزت کو یہی مطلوب ہے۔

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾

''ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے۔''

آج ہم سب کے سب جتنے بھی یہاں کلمہ گو موجود ہیں سینوں میں اللہ کی محبت لیے بیٹھے ہیں۔ یہ محبت ہی تو ہے جو ہمیں یہاں کھینچ لائی۔ ہمارا اپنے گھروں سے وقت نکال کر، اپنے بزنس سے ٹائم فارغ کر کے، اپنی مصروفیات سے وقت نکال کے یہاں آجانا، اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ رب العزت کی محبت سینوں میں موجود ہے۔ لیکن ہم اس بات کے طلبگار ہیں کہ یہ محبت زیادہ ہو جائے۔

آپ نے دیکھا ہوگا! ایک آدمی کتنا ہی غافل کیوں نہ ہو؟ بالکل بے نمازی، بے عمل قسم کا آدمی ہو، اگر وہ بھی دیکھتا ہے کہ زمین پر کاغذ پڑا ہے جس پر اللہ رب العزت کا نام لکھا ہے تو وہ بھی اس کو اٹھا کے اوپر رکھ دیتا ہے۔ یہ علامت ہے کہ اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت موجود ہے۔ جوتا الٹا پڑا ہو تو کئی لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کو فوراً سیدھا کر دیتے ہیں۔ یہ محبت کی دلیل ہے۔

ایک نوجوان کا روح پرور واقعہ:

امریکہ میں ایک نوجوان تھا۔ کلمہ گو مسلمان تھا۔ لیکن جس دفتر میں کام کرتا تھا اس دفتر میں کام کرنے والی ایک امریکن لڑکی سے اس کا تعلق ہو گیا۔ اس کا یہ محبت کا تعلق اتنا بڑھا کہ اس نے محسوس کیا کہ اب میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس نے پروپوزل (تجویز) بھیج دی کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے والدین نے کہا کہ ہماری یہ کنڈیشن (شرط) ہے کہ

☆......ہم عیسائی ہیں اس لیے آپ کو اپنا دین چھوڑ کر عیسائی ہونا پڑے گا۔
☆......والدین سے قطع تعلقی کرنا پڑے گی۔
☆......آپ اپنے ملک واپس نہیں جایا کریں گے۔
☆......جس کمیونٹی میں آپ رہتے ہیں اس کمیونٹی کے لوگوں سے آپ بالکل نہیں ملا کریں گے۔

اگر آپ یہ تمام شرائط پوری کر سکتے ہیں تو ہم اپنی بیٹی کی شادی کر دیتے ہیں۔ یہ اپنے جذبات میں اس قدر مغلوب الحال تھا کہ اس اللہ کے بندے نے یہ تمام شرائط قبول کر لیں۔ ماں باپ سے قطع تعلقی، عزیز و اقارب سے رشتہ ختم، ملک سے رشتہ ختم، جس کمیونٹی (مسجد) میں رہتا تھا، وہاں آتا جاتا تھا، وہاں سے رشتہ ختم۔ حتی کہ یہ اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گیا اور عیسائیوں کے ماحول میں زندگی گزارنے لگ گیا۔ پھر اس نے اس لڑکی سے شادی کر لی۔ مسلمان بڑے پریشان۔ کبھی کبھی وہ اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے مگر وہ ان سے ملنے سے بھی کترایا کرتا تھا۔ کہیں پبلک میں مل جاتا تو یہ دور سے کنی کترا جاتا تھا، لوگ بالآخر تھک گئے۔

☆......کسی نے کہا: اس کے دل پر مہر لگ گئی۔
☆......کسی نے کہا: مرتد ہو گیا۔
☆......کسی نے کہا: اس نے جہنم خرید لی۔
☆......کسی نے کہا: اس نے بڑا مہنگا سودا کیا۔

جتنے منہ اتنی باتیں۔ اسی حال میں اس کو ایک سال گزر گیا، دو سال گزر گئے، چار سال یونہی گزر گئے۔ حتی کہ اس کے دوست احباب اس سے مایوس ہو گئے۔ حتی کہ یہ ان کی یادداشت سے بھی نکلنے لگ گیا اور بھولی بسری چیز بنتا چلا گیا۔ اچانک ایک دن امام صاحب نے مسجد کا دروازہ کھولا۔ یہ نوجوان بھی فجر کی نماز

پڑھنے کے لیے آیا۔ وضو کیا اور مسجد میں صف میں آ کر بیٹھ گیا۔ امام صاحب بڑے حیران! ان کے لیے تو یہ بڑی عجیب چیز تھی۔ انہوں نے نماز پڑھائی، پھر اس سے سلام لیا اور اس کو اپنے حجرہ کمرے میں لے گئے۔ انہوں نے محبت، پیار سے بیٹھ کر ذرا پوچھا کہ آج بڑی مدت کے بعد آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔

اس وقت اس نے اپنی حالت بتائی کہ میں نے اس لڑکی کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، بہت کچھ میں نے اپنا ضائع کر دیا۔ لیکن جس گھر میں میں رہتا تھا، میرے اس گھر میں ایک جگہ پر اللہ کا قرآن پڑا ہوا تھا۔ میں جب کبھی آتا جاتا میری نظر اس قرآن مجید پر پڑتی تو میں اپنے دل میں سوچتا کہ یہ میرے مولا کا کلام ہے اور یہ میرے گھر میں موجود ہے۔ میں اپنے نفس کو ملامت کرتا کہ تو ظاہر میں جو بنا پھرتا ہے، پھر بھی تیرے دل میں اللہ کا ایمان موجود ہے۔ اعمال میرے برے تھے لیکن دل مجھے کہا کرتا تھا: میں نے جس کا کلمہ پڑھا، میں اس سے محبت کرتا ضرور ہوں اس لیے اس کی نشانی میں نے رکھی ہوئی ہے۔

اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ ایک دن میں آیا اور حسب معمول میں نے گزرتے ہوئے اس پر نظر ڈالی تو مجھے وہ کتاب نظر نہ آئی۔ میں نے وائف سے پوچھا کہ ایک کتاب یہاں پڑی تھی، وہ کدھر ہے؟ اس نے کہا: میں نے گھر کی صفائی کی تھی تو جو غیر ضروری چیزیں تھیں، جو استعمال نہیں ہوتی تھیں، ان سب کو میں نے ٹریش کر دیا (یعنی ان کو الگ کر کے ایک گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا)۔ اس نے پوچھا اس کتاب کو بھی؟ اس نے کہا: ہاں! یہ نوجوان وہیں سے واپس گیا اور جا کر ٹریش کیبن میں سے وہ کتاب اٹھا لایا۔ جب لڑکی نے دیکھا کہ یہ بڑی Strong Feelings (شدید جذبات) کا اظہار کر رہا ہے اس کتاب کے بارے میں تو وہ بھی محسوس کرنے لگی کہ آخر کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ بس میں اس کتاب کو گھر میں رکھنا چاہتا ہوں۔

جب اس لڑکی نے کتاب کو دیکھا کہ عربی ہے تو اس نے سوچا کہ اس کا اس سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔ وہ کہنے لگی: دیکھو! یا تو اس گھر میں یہ کتاب رہے گی یا پھر میں رہوں گی۔ تمہیں آج یہ Decide (فیصلہ) کرنا ہے۔

جب اس لڑکی نے یہ کہا تو میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ تو نے اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لیے وہ کچھ کر لیا جو تجھے نہیں کرنا چاہیے تھا، آج تیرا رشتہ پروردگار سے ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائے گا، اب تو فیصلہ کر لے کہ تو اس (لڑکی) کو چاہتا ہے یا پھر اپنے پروردگار کو چاہتا ہے۔ جب میں نے دل میں سوچا تو دل نے آواز دی کہ نہیں، میں اپنے مولا سے کبھی نہیں کٹنا چاہتا۔ میں نے اس لڑکی کو طلاق دے دی ہے۔ اب میں نے دوبارہ کلمہ پڑھا اور ہمیشہ کے لیے پکا مسلمان بن گیا ہوں۔

تو اتنا غافل مسلمان ہوں کر بھی دل میں اللہ رب العزت کی محبت کا بیج موجود ہوتا ہے۔

برائی سے محبت ہو، برے سے نہیں:

کئی لوگوں کو دیکھا کہ اگر کوئی نماز نہ پڑھتا ہو تو لوگ اس کو بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک اصول یاد رکھ لیجیے! برائی سے نفرت ہونی چاہیے برے سے نہیں۔ جس طرح ڈاکٹر اپنے ہاسپٹل میں بیماریوں سے نفرت کیا کرتے ہیں بیماروں سے نفرت نہیں کرتے۔ اگر بیماروں سے نفرت کرتے تو سٹاف رات دن ان کی خدمت کیوں کرتے؟ وہ بیماریوں سے بچتے ہیں، پوری پوری توجہ دیتے ہیں کہ یہ بیماریاں ہمیں نہ لگ جائیں۔ نبی علیہ السلام نے بھی ہمیں یہی تعلیم دی۔ چنانچہ پیاز کو جو کھایا جاتا ہے، اس میں مہک ہوتی ہے۔ اس لیے منع فرما دیا گیا کہ تم یہ مہک والی چیزیں کھاؤ تو مسجد میں نہ جاؤ۔ جب تک کہ تم اپنے منہ کو صاف نہ کر لو۔ تو نبی علیہ السلام نے وہاں یہ نہیں

فرمایا کہ میں پیاز سے نفرت کرتا ہوں بلکہ یوں فرمایا

((اِنِّیْ اَكْرَهُ رِیْحَهَا))

''کہ میں پیاز کی بو سے نفرت کرتا ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں بندے کے اعمال (کی بو) سے نفرت ہونی چاہیے، بندے سے نہیں۔ اگر یہی اللہ کا بندہ اپنی ڈائریکشن بدل لے گا تو جیسے آج گنہگار ہے ویسے ہی کل تہجد گزار بن جائے گا۔ یہ دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیاں ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ))

''اللہ تعالیٰ جیسے چاہتے ہیں دلوں کو بدل دیا کرتے ہیں''

اس لیے ہمیں انسان ہونے کے ناطے ہر بندے سے محبت ہو کہ یہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ

''اللہ کی مخلوق اللہ کی عیال ہے۔''

یعنی جس نے بھی کلمہ پڑھا اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے مگر اس محبت کی کنڈیشن (حالت) یہ ہوتی ہے کہ یہ بہت ویک (کمزور) ہوتی ہے۔ اب اپنی اس Weakness کو Strenght میں بدلنے کی ضرورت ہے۔ وہ کیسے بدلیں؟ اس کی مثال یوں سمجھیے! جیسے ایک درخت کمزور ہے۔ اس کو پانی دیجیے، کھاد دیجیے تو پھر وہ اچھا اور توانا درخت بن جائے گا۔ اسی طرح آپ بھی اس نوجوان کو اچھا ماحول دیجیے۔ وعظ و نصیحت کیجیے۔

﴿ وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الذّٰریٰت:۵۵)

''پس تم میرا ذکر کرو، پس بے شک میرا ذکر ایمان والوں کو نفع دیتا ہے۔''

اس پر توجہ دیجیے۔ پھر یہی کمزور نوجوان بالآخر آپ کے سامنے ایک مضبوط مومن بن کر کھڑا ہو جائے گا۔

محبت الٰہی کی کوئی حد نہیں:

یہ تمام محبتیں اس وقت تک ٹھیک ہیں جب تک اللہ رب العزت کی نسبت سے ہیں۔ اور رہی بات اللہ رب العزت کی محبت کی، تو اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کی کوئی ڈگری نہیں بتائی گئی۔ فرمایا:

﴿اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

''اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔''

اب اس محبت کی شدت جتنی بھی ہم بڑھا سکیں یہ ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ ایسی محبت ہو کہ ہم اللہ کا نام سنیں تو تڑپ اٹھیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

''نبی علیہ السلام ہمارے درمیان بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے ہوتے تھے۔ ادھر اذان کی آواز آتی۔ بلالؓ اذان کہتے ...... اللہ اکبر ...... ادھر فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوتے اور یوں لگتا کہ جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔''

یہ ہے محبت کی شدت کہ اللہ کا نام سنا، منادی نے ندا دی تو سب چیزوں کو چھوڑ دیا اور اپنے مالک کے سامنے سجدہ ریز ہونے کو تیار ہو گئے۔

تو ہمیں بھی ایسی محبت ہو کہ اذان کی آواز سنیں تو فوراً اسی وقت مسجد کے اندر پہنچ جائیں۔ حکم سنیں تو اس پر عمل کے لیے تیار ہو جائیں۔

محبت کا جنون باقی نہیں ہے:

آج ہمارے اندر یہ چیز بہت کم ہے جس کی وجہ سے اکثر احباب بے عملی کا شکار

ہوتے ہیں۔دل کرر ہا ہوتا ہے لیکن قدم عمل کے لیے آگے نہیں بڑھتا۔وہ محبت کا جذبہ کہ اگر اس کے اندر Strenght (قوت) آجائے تو پھر انسان کو پیچھے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔یہ محبت کا جذبہ ہمارے سلف الصالحین سے لے کے اب تک زندگیوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

اعمال کی گفٹ پیکنگ:

آج اعمال تو ہیں لیکن ان کے اندر روح باقی نہیں ہے۔اور یہ روح ان میں محبت کی وجہ سے پڑتی ہے۔دیکھیں! آج اگر کسی آدمی کی کہیں منگنی ہو تو وہ جب کسی موقع پر ایک دوسرے کو گفٹ بھیجیں تو اس کو گفٹ پیک کرواتے ہیں۔اگر فروٹ باسکٹ بھی بھیجنی ہے تو اس کو بھی گفٹ پیکنگ کرواتے ہیں۔بھئی! آپ جو پھلوں کی ٹوکری بھیج رہے ہیں یہ تو ویسے بھی دی جا سکتی ہے۔لیکن نہیں! محبت کا اظہار اس طرح سے ہوگا کہ ہم گفٹ پیکنگ کر کے بھیجیں۔جس طرح آج محبت کی وجہ سے یہ چیزیں گفٹ پیکنگ کے ساتھ بھیجتے ہیں۔مومن اسی طرح اپنے اعمال کی گفٹ پیکنگ کر کے اپنے پروردگار کے پاس بھیجتا ہے۔

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

مومن کے دل میں بھی ہر وقت یہی چیز ہوتی ہے۔اس لیے نماز پڑھتا ہے تو حضوری کے ساتھ پڑھتا ہے۔خشوع کے ساتھ پڑھتا ہے۔اللہ رب العزت کا

قرآن پڑھتا ہے تو وہ اسے ڈوب کر پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے تو تاوان سمجھ کر نہیں بلکہ اللہ رب العزت کی محبت کے ساتھ دے رہا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں اعمال کے اندر جان پیدا کر دیتی ہیں۔

رب کے نام کے دام:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں۔ آپ اپنی بکریاں چرا رہے تھے۔ ایک آدمی قریب سے گزرا اور گزرتے ہوئے اس نے کہا:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ

جب اس نے اللہ رب العزت کی حمد اور تعریف اتنے پیارے الفاظ میں کہی تو آپ علیہ السلام کا دل مچل اٹھا، تڑپ اٹھا۔ وہیں رک گئے۔ کہا: اے بھائی! ذرا یہ الفاظ ایک مرتبہ پھر کہہ دیجیے۔ اس نے کہا: جی! آپ مجھے اس کے بدلے کیا دیں گے؟ آپ نے فرمایا: اچھا! یہ میرا آدھا ریوڑ آپ کا ہو گیا اور آپ یہ الفاظ ایک مرتبہ پھر کہہ دیجیے۔

اس نے وہ الفاظ پھر دہرائے، کانوں میں رس گھل گیا۔ طبیعت اور زیادہ بے تاب ہو گئی۔ جی چاہا پھر سنوں۔ فرمایا: اے بھائی! یہ الفاظ ایک مرتبہ پھر کہہ دیجیے۔ اس نے کہا: اب آپ اس کے بدلے میں کیا دیں گے؟ فرمایا: باقی بکریاں بھی آپ لے لیجیے اور ایک مرتبہ یہ الفاظ پھر کہہ دیں۔ اس نے پھر وہی الفاظ کہے۔ دل میں ایسا ولولہ تھا کہ جی چاہا پھر سن لوں۔ طبیعت چاہتی تھی ع

ہوتی رہے ثناء تیرے حسن و جمال کی

کہنے لگے اے بھائی! ایک دفعہ پھر یہ الفاظ کہہ دیں۔ وہ کہنے لگا: اب تو آپ کے پاس بکریاں بھی نہیں تو اب اس کے بدلے میں کیا دیں گے؟ ابراہیم علیہ السلام نے

عرض کی: تمہیں اس کے لیے چرانے والے کی ضرورت ہوگی، تو اس کے لیے میں تمہاری بکریاں چرایا کروں گا، آپ ایک مرتبہ وہی الفاظ پھر کہہ دیجیے۔ اس نے کہا: اے ابراہیم خلیل اللہ! مبارک ہو..... میں تو اللہ رب العزت کا فرشتہ ہوں۔ مجھے پروردگار نے بھیجا تھا کہ میرے خلیل کے سامنے جا کر میرا نام لو اور دیکھو کہ وہ میرے نام کے کیا دام لگاتا ہے۔ اس کو محبت کی شدت کہتے ہیں کہ انسان اللہ کے نام پر بک جاتا ہے ؎

خدا کی راہ میں مٹ جا خدا کے نام پر بک جا
یہی ایسی تجارت ہے کہ جس کو بے خطر پایا

دنیا میں یہ ایک ایسا بزنس ہے جس میں لاس کا کوئی چانس ہی نہیں۔ جس نے بھی یہ سودا کیا ہمیشہ اس نے نفع پایا۔ منزل پہ پہنچ گیا تو بھی خوش نصیب ہے اور اگر پہنچنے سے پہلے راستے میں موت آ گئی پھر بھی خوش نصیب ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی محبت کے راستے میں چلنے والا بن گیا تھا۔ تو یہ محبت ہمارے اندر ہونی چاہیے۔

راہ خدا میں مٹنے کا جذبہ:

صحابہ ﷺ کے دلوں میں اللہ رب العزت کے ساتھ اتنی محبت ہوتی تھی۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ احد کی لڑائی میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ اگلے دن فائر کھلنا ہے، لڑائی شروع ہونی ہے۔ دو صحابہ آپس میں دوست ہیں۔ پہلا دوسرے کو کہتا ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام سے سنا ہے کہ مجاہد جب اللہ کے راستے میں نکل کر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔ دوسرے نے کہا میں نے بھی سنا ہے۔ کہنے لگے کیوں نہ ہو، میں دعا مانگتا ہوں آپ آمین کہنا اور پھر آپ دعا مانگیے گا پھر میں آمین کہوں گا۔ ہماری دعائیں قبول ہو جائیں گی۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ دونوں ایک طرف کو گئے۔

اب ایک نے دعا مانگی: اے اللہ! کل میرا مقابلہ دشمن کے کسی بڑے سے ہو، وہ مجھ پر اٹیک کرے میں اس پر وار کروں۔ اے مالک! ہمارا خوب مقابلہ ہو۔ بالآخر میں اس پر ایسا وار کروں کہ تیرے راستے میں اس کو قتل کر ڈالوں اور دشمن کے کسی بڑے کو قتل کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہو۔ دوسرے نے کہا: آمین۔

اب دوسرے کی باری تھی اس نے دعا مانگی، کہا: اے پروردگار! کل میرا مقابلہ کسی بہادر دشمن سے ہو، وہ مجھ پر وار کرے میں اس پر وار کروں، ہمارا خوب ایک دوسرے سے مقابلہ ہو۔ اور بالآخر وہ مجھ پر ایسا وار کرے کہ مجھے تیرے راستے میں شہید کر دے۔ اے اللہ! پھر وہ میری آنکھیں نکال دے اور میرے کانوں کو کاٹ لے، اے آقا! میں قیامت کے دن اسی حال میں آپ کے سامنے کھڑا کیا جاؤں اور تو مجھ سے پوچھے اے میرے بندے! تیری آنکھوں اور کانوں کا کیا بنا؟ اور میں عرض کروں اے اللہ! میں محبت میں یہ نذرانہ آپ کے سپرد کر کے آیا ہوں۔

اندازہ کیجیے کہ محبت ان کو کس قدر اللہ رب العزت کی ملاقات کے لیے بے تاب کر دیتی تھی۔ یہ جذبہ آج ہمارے اندر موجود نہیں ہے۔ اگر ہو تو ہماری زندگی کی ترتیب مختلف ہو گی۔ ہماری لائف Objective Life (بامقصد زندگی) بن جائے گی۔ ہر بندے کی زندگی کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے۔ اس کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، ایک مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ ہمیں اس جذبے کو اپنے اندر پیدا کرنے کی خاص ضرورت ہے۔

اللہ کی راہ میں فدا ہونے کی تڑپ:

اسی طرح کا ایک اور واقعہ تابعین کے ہاں بھی پیش آیا۔ دو صاحب تھے جن کو عیسائی بادشاہ نے گرفتار کر لیا۔ اب ان کے فوجی جو اچھے دین و دنیا رکھنے والے تھے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ آپ ان کو قتل نہ کرنا۔ آپ ان کو کسی طرح اپنے دین

پر لے آئیں تو یہ ہماری فوج کے سپہ سالار بنیں گے۔ان کے چہروں سے ایسی بہادری جھلکتی ہے کہ یہ بڑے شیر دل قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے میں ان کو اپنی طرف لے آؤں گا۔ چنانچہ اگلے دن اس نے ان کو بڑے سبز باغ دکھائے کہ تم ہمارے دین پہ آ جاؤ۔ہم تمہیں یہ دیں گے، وہ دیں گے۔انہوں نے ساری باتیں سن کر کہا کہ ہم تو ہرگز اپنے دین سے ٹلنے والے نہیں ہیں۔اب بادشاہ بڑا عجیب فیل کرنے لگا اب اُدھر تو وعدہ کر چکا تھا اور اس طرف اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔تو اب اس کی طبیعت میں غصہ پیدا ہوا۔ اس نے کہا: اچھا! اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو پھر میں دوسرا راستہ اپناؤں گا۔ اور تمہیں قتل کرادوں گا۔انہوں نے کہا:

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ

''جو تو کر سکتا ہے کر لے۔''

چنانچہ اس نے تیل گرم کروایا اور ان میں سے ایک کو اس میں ڈالوا دیا۔اب جب گوشت گرم تیل میں پڑے تو کیا ہوتا ہے؟ چند بخارات اٹھے اور پوری لاش کباب بن چکی تھی۔ بادشاہ نے اب دوسرے کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں سے آنسو جاری تھے۔ بادشاہ یہ سمجھا کہ اب یہ گھبرا گیا، ڈر گیا تو بادشاہ نے ہمدردی کے لہجے میں اس سے کہا: آپ نہ روئیں، میں آپ کو اس تیل میں نہیں ڈالتا۔ جب اس نے یہ بات کی تو وہ صاحب اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگے:

او عقل کے اندھے! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے ڈر اور خوف کی وجہ سے رو رہا ہوں؟ اس بادشاہ (عقل کے اندھے) نے کہا: ہاں۔تو وہ کہنے لگے: نہیں۔ میرے دل میں ایک بات آئی اور وہ یہ کہ تو مجھے ایک دفعہ تیل میں ڈالے گا تو میری ایک ہی جان ہے، وہ چلی جائے گی، اے کاش! آج میرے بدن پر جتنے بال ہیں اتنی

میری جانیں ہوتیں، تو مجھے اتنی ہی مرتبہ تیل میں ڈالتا اور میں ہر جان کا نذرانہ اللہ کے سپرد کر دیتا۔

یہ محبت ہے۔ جب ایسی محبت ہو تو پھر انسان اللہ رب العزت کے ہر حکم کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ اسی لیے صحابہ ﷺ قرآن مجید کی ایک آیت سنتے تھے تو اپنے سروں کو جھکا لیتے، فوراً اپنے آپ کو بدل لیتے تھے۔ عمل بالقرآن ان کا جو پکا تھا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اللہ کی محبت ان کے دلوں میں اس قدر سما چکی تھی کہ اللہ کا کلام سنتے اور فو خود کو بدل ڈالتے تھے۔

عمل بالقرآن کی انوکھی مثال:

سیدنا حسین ﷺ کا واقعہ ہے کہ گھر میں مہمان آئے۔ باندی کو حکم دیا کہ کچھ پیش کیجیے۔ شوربے کا ایک پیالہ تھا وہ گرم کر کے لے آئی۔ جب گرم کر کے لے آئی، دروازے سے داخل ہونے لگی تو قدرتاً دیکھ کہیں رہی تھی اور قدم کہیں اٹھا رہی تھی۔ اچانک پاؤں اٹکا تو شوربے کا پیالہ آپؓ کے جسم مبارک پر آ گرا۔ اب جب گرم گرم شوربہ گرے تو بدن جلتا ہے اور کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ کتنا غصہ آتا ہے؟ تو آپ نے جو غصے کے ساتھ باندی کی طرف دیکھا کہ اتنی Careless (غیر ذمہ دار) ہے۔ تو آخر وہ بھی اسی گھر کی باندی تھی۔ پہچان گئی کہ طبیعت میں جلال ہے تو جیسے ہی انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے آگے سے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ کہنے لگی:

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ ''غصے کو پی جانے والے۔''

قرآن مجید میں ایمان والوں کی کچھ خوبیاں پروردگار نے گنوائیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ''غصے کو پی جانے والے'' تو جب اس نے یہ الفاظ کہے آپؓ نے فوراً اپنے غصے کو کنٹرول کیا اور اس کی طرف مسکرا کر دیکھا، تو پھر اس نے اگلے الفاظ پڑھ دیے:

﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ ''لوگوں کو معاف کر دینے والے''

آپؓ نے فرمایا: اچھا چل میں نے تیری غلطی کو معاف کر دیا۔ تو اس نے اگلے
اظ بھی کہہ دیے۔

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

''اور اللہ نیکوکاروں کو پسند فرماتے ہیں۔''

آپ نے فرمایا: جا میں نے تجھے اللہ کے راستے میں آزاد کر دیا۔

کہاں اتنا غصہ ہے؟ کہ اسے سزا دی جائے اور کہاں قرآن کریم کے دو الفاظ
تے ہیں تو اپنے آپ کو اسقدر بدل ڈالتے ہیں کہ جس کو سزا دینا تھی اس کو اللہ رب
زت کے راستے میں آزاد کر دیا۔

یوانے بنو، فرزانے نہ بنو:

عقلی محبت کام نہیں آتی۔ عقل پیچھے رہ جاتی ہے یہاں صرف ولولہ کام آتا ہے۔

لوٹ آئے جتنے بھی فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

فرزانہ کہتے ہیں عقل مند کو جس کا کیلیبر اچھا ہو، آئی کیو لیول بہت اچھا ہو۔ اور
زل تک وہی پہنچتے ہیں جن کے دلوں میں محبت الٰہی کی دیوانگی ہوا کرتی ہے۔ اس چیز
کو علامہ اقبال نے کہا:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ خام ابھی
اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل

عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کہتی ہے کہ ادھر راستہ ہی نہیں کوئی جاتا۔ عشق کہتا ہے میں تو ہزاروں بار ہ کے بھی آ چکا ہوں، آج اس کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت موجزن ہوتا کہ ہم عمل وعلم کے فاصلوں کو مٹا سکیں۔ دورنگی کو دور کر سکیں۔ ظاہر اور باطن کے تضاد کو ختم کر سکیں۔ جتنی یہ محبت کامل ہوگی اتنے ہی علم وعمل کے فاصلے ختم ہو جائیں گے اور انسان اپنے علم پہ عمل کرنے والا ہوگا۔

کچھ ہاتھ آتا نہیں بے آہِ سحر گاہی:

یہ سوز عشق پھر انسان کو راتوں کو بھی جگا دیا کرتا ہے۔ اللہ کی محبت میں پھر انسان راتوں کے آخری پہر میں اکثر اپنے پروردگار سے راز و نیاز کی باتیں کیا کرتا ہے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ آتا نہیں بے آہِ سحر گاہی

ان کو سحر گاہی کی عادت ہوتی تھی، کسی کو خواجہ غلام فرید نے فرمایا: ؎

اٹھ فریدا سُتیا تے جھاڑو دے وچ میت
تو سُتا تیرا رب جاگدا تیری ڈاھڈے نال پریت

جب اللہ رب العزت کی محبت دل میں ہو تو پھر راتوں کا اٹھنا مشکل نہیں ہوتا۔ خود بخود آنکھ کھلتی ہے۔ ایسے لوگوں کو بستر اچھال دیتا ہے رات کے آخری پہر میں۔ الارم فٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے اپنے اندر الارم فٹ ہوتا ہے۔ وہ اس وقت ان کو اٹھا دیتا ہے۔ کتنے تھکے ہوئے کیوں نہ ہوں ان کو مصلے پر

کھڑے ہونے سے سکون ملتا ہے اور ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ رات کے آخری پہر میں استغفار کرتے اور سسکیاں لے لے کر روتے اور روٹھے ہوئے رب کو منایا کرتے تھے۔

تیری محفل بھی گئی ، چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

وہ صبح کے نالے آج نظر ہی نہیں آتے۔ کہاں ہیں وہ نوجوان جو لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگایا کرتے تھے اور ان کے سینوں میں دل کانپتے تھے۔

منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھے سینے میں
دل ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

اس لیے دلوں میں وہ ولولہ نہیں ، وہ شوق نہیں ۔ نگاہ میلی بن گئی ۔ ذرا باہر نکلے ادھر ادھر کی شکلوں صورتوں کو دیکھا۔ ادھر للچائی ہوئی نظریں پڑ رہی ہیں۔ ڈائریکشن بدلتی جا رہی ہے۔ اب اس کو دوبارہ ٹھیک کرنے کے لیے اللہ والوں کی صحبت کی ضرورت ہے۔ ایسی مجالس کی ضرورت ہے جن میں انسان اپنے آپ کو محسوس کرے کہ میں اپنی ڈائریکشن کو ٹھیک کر سکوں اور اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بڑھا سکوں۔ محبت کے بڑھنے سے انسان کو اعمال کی حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے۔

اعمال کی صورت اور حقیقت:

دیکھیے ! یہ جو اعمال ہیں ان کی ایک حقیقت ہے اور ایک ان کی صورت ہے۔ صورت تو یہی ہے کہ ہم مسجد میں تو آ گئے اور آ کر چند رکعات پڑھ لیں ۔ اگر ان کی

حقیقت کیا ہے کہ کھڑے تو مسجد میں ہیں پہنچے ہوئے دفتر میں، بازار میں اور یار کے پاس ہوتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ٹیپ ریکارڈ تھا اس نے اللہ اکبر کے الفاظ سے پش بٹن کو پریس کیا اور ٹیپ ریکارڈ پڑھتا رہا، پڑھتا رہا۔ اس کے بعد السلام علیکم ورحمتہ اللہ پر آف کا پش بٹن پریس کر دیا۔ درمیان میں کیا پڑا؟ کئی بار ہمیں اس کا پتہ ہی نہیں ہوتا، یہ ہے نماز کی صورت۔ اور نماز کی حقیقت کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَنْ تَعْبُدُوْ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ))

''یہ کہ تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے۔''

اگر یہ کیفیت حاصل نہیں تو:

((فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ))

''پس اگر تو اس طرح نہیں کر سکتا تو اس طرح تو نماز پڑھ کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔''

اب نہ یہ کیفیت حاصل نہ وہ کیفیت حاصل، تو پھر ہماری نماز کس درجے کی نماز ہے۔

میرے دوستو! سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔ آج یہ حضور قلب دلوں سے نکل گیا ہے۔ قرب قیامت کی علامت ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا: تو دیکھے گا کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی، مگر ان کے دل اللہ رب العزت کی یاد سے خالی ہوں گے۔

ایک دفعہ ایک مسجد میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ امام صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد پوچھا: بھئی! میں نے دو رکعت پڑھی ہیں یا چار؟ پوری مسجد میں ایک بندہ ایسا نہ تھا جو کونفیڈینس اور صمیم قلب سے کہے کہ ہم نے دو رکعت پڑھی ہیں یا چار پڑھی

ہیں۔سب شک میں تھے۔کسی کو پتہ نہیں کہ دو پڑھی ہیں یا چار رکعت پڑھی ہیں۔جب ہماری Concentration (توجہ) کا یہ عالم ہو تو پھر بتایئے اس نماز اثر کا ہمارے اوپر کیا آئے گا؟اسی لیے کسی کہنے والے نے کہا: ؎

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہ سیماب

سیماب کہتے ہیں مرکری کو (پارے کو)۔اور اس کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ تھرتھراتا رہتا ہے۔کانپتا رہتا ہے۔

علامہ اقبال نے کہا: کہ کچھ لوگ ایسے اذان دینے والے تھے کہ جب وہ اذان دیتے تھے تو ان کے ''اللہ اکبر'' کے الفاظ کہنے سے پہاڑ پارے (مرکری) کی طرح کانپنے لگ جاتے تھے۔آگے فرماتے ہیں:

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اس کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

کسی فارسی شاعر نے عجیب بات کہی کہ: ؎

بہ زمیں چوں سجدہ کردم ززمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

''جب میں نے زمین پہ سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی: اے ریا کے سجدہ کرنے والے! تو نے مجھے بھی خراب کر ڈالا'' ؎

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں؟

تو آج اس دل کو صنم آشنائی کی بجائے خدا آشنا بنانے کی ضرورت ہے۔تاکہ اس کے اندر اللہ رب العزت کی محبت پیدا ہو۔پھر ہمیں اعمال کرنے میں قرآن مجید

پڑھنے میں بھی مزا آئے گا۔ صحابہ کرام اس قرآن مجید کو پڑھتے تھے، سنتے تھے تو ان کو ایک الگ مزا آیا کرتا تھا۔

ایک صاحب نماز میں سورۃ کہف پڑھ رہے ہیں، سینے پہ تیر لگ رہے۔ بالآخر ساتھی کو جگا کر کہتے ہیں۔ اگر مجھے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیروں پر تیر کھاتا رہتا اور کہف مکمل پڑھے بغیر نماز ختم نہ کرتا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ نماز پڑھتے تھے تو یوں محسوس ہوتا کہ اپنے پروردگار سے ہم کلامی کر رہے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بیٹا باہر سے فون کرے تو ماں کہتی ہے بیٹا کوئی اور بات کرو، ابھی تو کال کی ہے تم نے۔ بیٹا کہتا ہے اماں پندرہ منٹ ہو گئے ہیں کال کو، تو ماں کہتی ہے کہ پندرہ منٹ گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ تو جس طرح ماں کو بیٹے سے بات کرتے ہوئے پندرہ منٹ گزرنے کا پتہ نہیں چلا۔ اسی طرح ان حضرات کو بھی راتوں کے گزرنے کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ تو یہ تمام چیزیں اس لیے تھیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت شدت کے ساتھ تھی۔ تو ان کو یہ مقام حاصل تھا۔

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

''اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔''

اس لیے وہ دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر مجاہد ہوتے تھے اور راتیں وہ مصلے کی پیٹھ پر گزار دیا کرتے تھے۔ یہ کیسے؟ سارا دن تھکنے کے بعد تو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مصلے پہ کھڑے ہونے سے ان لوگوں کو آرام مل جایا کرتا تھا۔

محبت والوں کی راتیں:

مبتدی کے لیے یعنی نئے بندے کے لیے عبادت دوا کی مانند ہے اس کو ذرا کھینچ تان کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جب اس راستے پر چل پڑتا ہے تو عبادت گزار بن جاتا ہے۔ پھر اس کا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، نیکی میں مصروف رہوں۔

کتنے ہی ایسے واقعات ہیں کہ وہ لوگ ساری ساری رات عبادت میں گزار دیا کرتے تھے۔سیدہ فاطمۃ الزاہرا ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ عشا کے بعد دو رکعت کی نیت باندھی۔اللہ رب العزت کا کلام پڑھتی رہیں، پڑھتی رہیں، دل میں ایسا لطف تھا، ایسا مزا تھا، جب سلام پھیرا تو کیا دیکھتی ہیں کہ صبح صادق کا وقت قریب ہے۔دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور یہ دعا مانگی: اے اللہ! میں نے ابھی دو رکعت کی نیت باندھی تھی۔تیری راتیں کتنی چھوٹی ہیں کہ تیری رات ہی ختم ہوگئی۔تو ان کو راتوں کے چھوٹا ہونے کا شکوہ ہوا کرتا تھا۔یہ نماز ان کی تھکاوٹ دور کردیا کرتی تھی، فریش کردیا کرتی تھی۔

آج نوجوان چھٹی کی رات دو وڈیوز لے کر آتے ہیں اور چھ گھنٹے بیٹھ کر سکرین پر تماشا دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ٹائم گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔بالکل اسی طرح ہمارے اسلاف بھی جب قرآن پاک کھول کے بیٹھتے تھے یا مصلے پر کھڑے ہوتے تھے تو ان کو بھی ٹائم گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

جذبۂ محبت کا دائرہ کار:

ہمیں یہ کیفیت دلوں میں پیدا کرنی ہے تاکہ دل اللہ کی عبادت کے اندر لگیں۔اللہ کے حکموں کی تعمیل کا جذبہ ہمارے دلوں کے اندر آجائے۔یہ فقط مصلے تک محدود نہ رہے بلکہ اگر ہم دفتر کی کرسی پر بیٹھے ہیں پھر بھی اللہ کی محبت کا جذبہ دل کے اندر غالب ہو، اگر ہم گھر کے اندر شوہر کی حیثیت سے ہیں تو بھی اللہ کی محبت کا جذبہ غالب ہو۔ہم زندگی کے جس حال میں بھی ہیں اللہ کی محبت کا جذبہ غالب ہوگا تو ہم ہر جگہ پر اللہ کے حکم کو نافذ کریں گے۔ہم نبی علیہ السلام کی مبارک سنت کے مطابق زندگی گزاریں گے۔اسی لیے اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے اس کے کرنے سے انسان کے دل میں اس ذات کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

جذبہِ محبت کی بیداری کیسے؟

اب آپ دیکھیے! آپ یہاں بیٹھے ہیں آپ کے دل میں خیال بھی نہیں، لیکن اگر کوئی بندہ Walls کی آئس کریم کا تذکرہ کرے اور ذرا پانچ منٹ تذکرہ کرتا رہے تو شاید جاتے ہوئے آدھے سے زیادہ ان میں سے راستے میں سے لے کر یا کھا کر جائیں گے۔تو تذکرہ کے ہونے سے طبیعت میں میلان پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح جن محفلوں میں اللہ کی اس کے محبوب کی اور اللہ والوں کی محبت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جو بندہ ان محفلوں میں اکثر اٹھنا، بیٹھنا شروع کر دیتا ہے تو پھر اس کے دل میں بھی اللہ رب العزت کی محبت کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ایک مقناطیس ہوتا ہے۔لوہے کو تھوڑے دنوں کے لیے اس کے ساتھ رکھیں تو لوہے اندر بھی میگنیٹزم انڈیوس ہو جاتا ہے۔ یہ محبت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ یہ محبت بھی میگنیٹزم کی مانند ہے۔ جب اللہ والوں کے ساتھ کچھ وقت گزارتے ہیں تو ایسے ہی نیک اور صالحین کے دلوں کی وہ محبت ان دلوں میں انڈیوس ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے دلوں میں اس کے اثرات محسوس کرتے ہیں۔ پھر ہمارے لیے اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوگی۔ جب ہمارے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت ہوگی تو راتوں کو جاگنا مشکل نہیں ہوگا۔ اسی لیے تو کہنے والے نے کہا:

مجھ کو نہ اپنا ہوش، نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں
تاروں سے پوچھ لو میری روداد زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

تو پھر انسان اللہ کے خیال میں، اس کی یاد میں راتوں کو جاگتا ہے۔

اشعارِ محبت:

ہمارے ایک بزرگ خواجہ عزیز الحسن تھے۔ان سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا: حضرت سنایئے کیا حال ہے؟ پہلے تو وہ ڈپٹی کلکٹر تھے پھر انہوں نے پنشن لے لی۔تو انہوں نے اس کا جواب شعر میں دیا۔یہ شاعروں کی عادت ہوتی ہے۔فرمانے لگے: ؎

پنشن ہو گئی ہے کیا بات ہے اپنی
اب دن بھی ہے اپنا اور رات ہے اپنی
اب اور ہی کچھ ہے میرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہی رہتا ہے ملاقات کا عالم

اگر یہ چیز نصیب ہو جائے کہ ہر وقت ہی رہتا ہے ملاقات کا عالم،تو پھر ہم گناہ نہیں کریں گیں بلکہ سوچیں گے بھی نہیں گناہ کے بارے میں۔اٹھنا ،بیٹھنا،چلنا پھرنا ہر کام اللہ کے حکموں کے مطابق ہو جائے تو پھر نماز کے لیے ترغیب نہیں دینی پڑے گی۔یہ نہیں بتانا پڑے گا کہ اشراق پڑھ لو،حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔پھر انسان موقع ڈھونڈے گا۔جن دو بندوں کے درمیان تعلق ہو تو وہ ٹیلی فون پر بات کرنے کے لیے موقع ڈھونڈتے ہیں۔اسی طرح جس بندے کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔پانچ فرض نمازوں سے اس کے محبت کے جذبات کو تسکین نہیں ہوتی۔وہ بہانے ڈھونڈتا ہے،کوئی اور موقع مل جائے ذرا گفتگو کرنے کا۔لہٰذا...... تہجد کا وقت آیا تو حاضر ہیں...... چاشت کا وقت آیا پھر حاضر ہیں...... چاشت دعا کا وقت آیا تو پھر حاضر ہیں......اوابین کا وقت آیا پھر حاضر ہیں......انہوں نے مسجد میں قدم رکھا،جلدی سے تحیۃ الوضو کی نیت کر لی......ان کو تو موقع کی تلاش تھی۔موقع مل گیا۔اللہ کے حضو

ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے ہیں اور محبوب سے بات کرنے کا مزہ پا رہے ہوتے ہیں۔تو پھر یہ کیفیت ہوتی ہے۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے
ہم ثواب و عذاب کو کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے
عشق والے حساب کیا جانیں

وہ جمع ،تفریق تھوڑا کر رہے ہوتے ہیں۔

اللہ سے محبتِ الٰہی کا سوال:

یہ اللہ رب العزت کی محبت ایسی نعمت ہے کہ ہمیں اپنی ہر دعا میں یہ نعمت مانگنی چاہیے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی اور حقیقت میں امت کو سکھائی کہ ہم یہ دعا مانگا کریں۔تو یہ ایسی نعمت ہے کہ اللہ کے محبوب نے بھی اسے اللہ سے اور مانگا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُ اِلٰی حُبِّکَ

''اے اللہ بے شک میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں،اور جو آپ سے محبت کرنے والے ان کی محبت کا بھی آپ سے سوال کرتا ہوں،اور جو عمل آپ کی محبت بڑھانے والے ہیں میں ان عملوں کی بھی محبت کی درخواست کرتا ہوں۔''

اگر ہمیں یہ چیزیں نصیب ہو گئیں تو انشاء اللہ ہمیں مقصودِ حقیقی حاصل ہو جائے گا اور زندگی کا مقصد پورا کرنا ہمارے لیے بہت آسان بن جائے گا۔اللہ رب العزت ہمیں سچی محبت عطا فرمائیں۔ایسی محبت جو ہمیں اللہ کی طرف مشغول کر دے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اللہ رب العزت ہمیں موت سے پہلے پہلے وہ لذت آشنائی والی چند گھڑیاں نصیب فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اقتباس

چنانچہ میزان کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ایک ترازو ہوگا اور اسی پر ہر چیز تولی جائے گی۔ یہ اللہ کی اپنی قدرت ہے کہ وہ ترازو کس قسم کا ہوگا۔ مگر یہ عین ممکن ہے کہ انسان کے اعمال اور اقوال کو تولا جاسکے۔ پہلے زمانے میں تو انسان کی بات کو پکڑا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ آج ٹیپ بن گئی ہے اور وہ بندے کی پوری بات کو محفوظ کر لیتی ہے۔ جس پروردگار نے دنیا میں باتوں کو محفوظ کروادیا، وہ باتوں کو تولنے کے آلات بھی بنوادے گا۔ البتہ یہ بات پکی ہے کہ قیامت کے دن اعمال بھی تلیں گے اور اقوال بھی تلیں گے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

﴿ وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ ﴾

میزان عدل کی حقیت

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

بمقام: جامعہ مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

برموقع: اختتامِ بخاری شریف

میزانِ عدل کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ
وَ بِالسَّنَدِ الْمُتَّصَلِ مِنِّىْ اِلَى الْاِمَامِ الْهُمَّامِ يَقُوْلُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ
ذُوْالْفِقَار اَحْمَدُ حَدَّثَنِىْ حَضْرَةُ الْاُسْتَاذُ حَافِظُ الْقُرْآنِ وَ
الْحَدِيْثِ مَوْلَانَا مُحَمَّدْ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدْ اَمِيْر قَالَ حَدَّثَنِىْ
حَضْرَةُ الْاُسْتَاذْ مَوْلَانَا شَيْخْ مُحَمَّدْ مَالِكْ كَانْدهلَوِىْ نَوَّرَاللّٰهُ
مَرْقَدَهٗ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ مُحَمَّدْ اِدْرِيْسْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ مُحَمَّدْ
اِسْمٰعِيْلْ قَالَ حَدَّثَنِىْ عَلِىٌّ بْنُ الظَّاهِرِ الْوَتْرِىْ الْمَدَنِىْ قَالَ
حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدْ عَابِدْ قَالَ حَدَّثَنِىْ صَالِحُ الْعُمْرِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ
مُحَمَّدُ بْنُ سَنَةَ الْعُمْرِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ الْعَجْلِىْ قَالَ
حَدَّثَنِىْ قُطْبُ الدِّيْنْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِىْ
الْمُعَمَّرُ الشَّيْخْ يُوْسُفْ هَرَوِىْ اَلْمَشْهُوْرُ بِسَهْ صَدْ سَالَه قَالَ
حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ شَاذْ قَالَ حَدَّثَنِىْ يَحْيٰى بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنِىْ
مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفْ الْفِرَبْرِىْ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَّاسِعَةً
قَالَ حَدَّثَنِىْ الشَّيْخُ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْحُجَّةُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْ
الْحَدِيْثِ وَ سَيِّدُ الْمُحَدِّثِيْنَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنِ اِسْمٰعِيْل بْنِ
اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُغِيْرَةَ الْجُعْفِيّ الْبُخَارِىْ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً
بَابْ:قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى و نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ وَ اَنَّ اَعْمَالَ بَنِىْ
آدَمَ وَ قَوْلِهِمْ يُوْزَنُ وَ قَالَ مُجَاهِدُ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ وَ

يُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَ هُوَ الْعَادِلُ وَ اَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ حَدَّثَنِيْ اَحْمَدُ بْنُ اِشْكَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عَمَّارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

بخاری شریف کی آخری حدیث مبارکہ تلاوت کی گئی ہے۔امام بخاری اس باب میں سب سے پہلے قرآن مجید کی یہ آیت لائے ہیں:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اس آیت مبارکہ میں قیامت کے دن میزانِ عدل قائم ہونے کا تذکرہ ہے۔

قیامت کا تصور:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ قیامت کا تصور تمام امتوں میں اجمالی طور پر رہا ہے۔لیکن امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بارے میں تفصیلی علم عطا فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید کی ایک صورت کا نام بھی اَلْقِیَامَۃ ہے۔

قیامت کے دن کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کو ایک بہت بڑا سانحہ اور وقوعہ کہا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ

اور دوسری جگہ فرمایا:

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيمِ

ان دونوں آیتوں میں قیامت کے دن کو ایک بڑا واقعہ کہا گیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بڑے کسی چیز کو بڑا کہیں تو وہ بہت بڑی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت، جو مالکِ کائنات ہیں، خالقِ کائنات ہیں، وہ اس واقعہ کو ایک بہت بڑا واقعہ فرما رہے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ قیامت کے دن کی کیا اہمیت ہے؟

قرآن مجید میں قیامت کے دن کے بہت سارے نام ہیں۔ یہ مختلف نام بھی اس کی اہمیت پر دلیل ہیں۔

......کہیں اس کو یوم عسیر کہا۔

......کہیں اس کو یوم الدین کہا۔

......کہیں اس کو یوم التغابن کہا

......کہیں اس کو یوم النشور کہا

......کہیں اس کو یوم الحسرۃ کہا

یہ طے شدہ بات ہے کہ قیامت کا دن آنا ہے۔

قیامت کیسے آئے گی؟

یہاں طالب علم کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کیسے آئے گی؟ اس کے دو جواب ہیں:

(۱)......دینی نقطۂ نظر:

دینی نقطۂ نظر سے تو اس کا یہ جواب ہے کہ جس پروردگار نے انسان کو عبادت کے لیے دنیا میں بھیجا، وہ ان کے اعمال کا بدلہ دینے کے لیے ان کو قیامت کے دن

اکٹھا فرمائے گا۔تاکہ اچھے اعمال کرنے والوں کو ان کا اجر ملے اور برے اعمال کرنے والوں کو ان کی سزا ملے۔اگر یہ تصور نہ ہو تو انسان نیکی کیوں کرے گا؟ برائی سے انسان کیوں بچے گا؟۔

(۲)......سائنسی نقطۂ نظر:

سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو سائنس دانوں کے اس کے متعلق مختلف نظریات ہیں۔

⊙......بعض سائنسدانوں کا نظریہ یہ ہے کہ زمین کے اوپر ہر روز شہاب ثاقب گرتے ہیں۔ان کو Metroits (میٹرائٹس) کہتے ہیں۔دس ہزار ٹن ملبہ زمین پر روزانہ گر رہا ہے۔کبھی کبھی بڑے پتھر بھی گرتے ہیں۔1908ء میں سائبیریا میں تنکسکا کے علاقے میں ایک اتنا بڑا شہابِ ثاقب گرا جس کی طاقت ایٹم بم کی طاقت سے دس ہزار گنا زیادہ تھی۔اب آپ سوچیے کہ ایٹم بم کی طاقت کتنی ہوتی ہے! اس سے بھی دس ہزار گنا زیادہ طاقت اس شہابِ ثاقب کی تھی۔

تو بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ کوئی میٹرائٹ (شہاب ثاقب) زمین پر گرے گا اور زمین کے اوپر کے سارے کے سارے لوگ مر جائیں گے۔یوں اس دنیا کا اختتام ہو گا۔

⊙......بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ کچھ ستارے زمین کے قریب سے گزرتے ہیں۔ جیسے 1993ء میں ایک دم دار ستارہ، جسے Haley Comet کہتے ہیں، وہ زمین کے قریب سے گزرا تو سائنس دانوں کو ڈر تھا کہ یہ کہیں زمین سے نہ ٹکرا جائے۔چنانچہ ایک امکان یہ ہے کہ کوئی ستارہ زمین کے ساتھ ٹکرائے گا اور دنیا ختم ہو جائے گی۔

⊙......بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ زمین اور سورج کے گرد اللہ رب العزت نے

کچھ ایسی جگہیں بنائی ہیں کہ جن کو ''بلیک ہول'' کہتے ہیں۔ وہ اتنا بڑا ہے کہ وہ پورے سورج کا ایک لقمہ بنا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر زمین کبھی اس کے قریب ہوئی تو وہ اس کو بھی ایک لقمہ بنا لے گا۔ چنانچہ آج کل انٹرنیٹ پر ایک کاؤنٹ ڈاؤن لگا ہوا ہے، یعنی دن گن رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 21 دسمبر 2012ء کو زمین اور سورج ایک بلیک ہول کے بالکل سامنے آجائیں گے۔ اس میں دو امکان ہیں:

ایک امکان تو یہ ہے کہ وہ ان دونوں کو اپنے اندر کھینچ لے، یعنی کھا ہی لے۔ پھر معاملہ ختم ہو جائے گا۔ اور دوسرا امکان یہ ہے کہ اس کی کشش اتنی ہوگی کہ زمین کو گھما کے رکھ دے گا۔ مشرق مغرب بن جائے گی اور مغرب مشرق بن جائے گی۔ چنانچہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ یعنی وہ بات سامنے آئے گی جو آج سے چودہ سو سال پہلے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمائی تھی۔ اس وقت تو اس کو عقلاً سمجھنا محال تھا، مگر آج سائنس کی دنیا نے خود کہنا شروع کر دیا کہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ سورج مغرب سے بھی طلوع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں زمین کے نارتھ اور ساؤتھ پول (قطب شمالی اور قطب جنوبی) بدل جائیں گے۔

⊙ ...... بعض سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ سورج کے اندر آگ ہے۔ وہ آگ بنیادی طور پر ہائیڈروجن ہے جو ہیلیم بن رہی ہے۔ یوں سمجھیں کہ اس میں ہر وقت کھرب ہا کھرب ہائیڈروجن بم پھٹ رہے ہیں اور اس کا ٹمپریچر دس ملین سنٹی گریڈ سے لے کر سو ملین سنٹی گریڈ تک ہے۔ گویا سورج آگ کا ایک بہت بڑا گولہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کی ایک طبعی عمر ہے۔ جب ساری ہائیڈروجن، ہیلیم میں بدل جائے گی تو آگ ٹھنڈی ہو جائے گی اور پھر سورج کے ٹھنڈا ہو جانے کی وجہ سے زمین پر زندگی ختم ہو جائے گی۔

⊙ ...... ایک نظریہ جو سب سے زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے، اس کو Big Bang

Theory (بگ بینگ تھیوری) کہتے ہیں۔ یہ بگ بینگ تھیوری کیا ہے؟......سائنس دان کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ کے حکم سے ایک دھما کہ ہوا تو زمین بھی وجود میں آ گئی اور آسمان بھی وجود میں آ گیا۔ یہ چیز ہم مسلمانوں کے نظریے کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْن

لہٰذا ہم ان کے بگ بینگ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم ہوا اور زمین اور آسمان وجود میں آ گئے۔

☆......سائنس دان کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں پھیلتی جا رہی ہیں۔ جیسے دھما کہ ہو تو چیزیں دور دور تک چلی جاتی ہیں۔ اس کو "وسعتِ کائنات کا نظریہ" کہتے ہیں۔ یہ بھی دین کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْن

"اور ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم اس کائنات کو وسیع کرتے چلے جا رہے ہیں"

یہ پھیلتی تو چلی جا رہی ہے لیکن سائنس دان کہتے ہیں کہ یہ ایک حد تک تو پھیلے گی اور اس کے بعد سپرنگ کی طرح واپس ایک دوسرے کے ساتھ آئے گی اور آپس میں ٹکرائیں گی۔ تو یہ جو سیکنڈ بگ بینگ ہوگا، یہ قیامت کا دن ہوگا۔

بہر حال! سائنس دانوں کی باتیں کبھی تو سچی ہو جاتی ہیں اور کبھی محض تخیلات ہوتے ہیں، لیکن اس بات پر تو گویا سب متفق ہیں کہ قیامت کا دن آنا ہے اور اس دنیا کا ایک آخری دن متعین ہے۔

دو چیزوں کا حساب:

جب قیامت کا دن آنا ہے تو پھر انسان کو اللہ رب العزت کے حضور پیش بھی ہونا

پڑے گا۔ چنانچہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

''اور ہم قیامت کے دن میزانِ عدل کو قائم کریں گے''

اور آگے فرمایا:

وَ اَنَّ اَعْمَالَ بَنِيْ اٰدَمَ وَ قَوْلَهُمْ يُوْزَنُ

''اور بنی آدم کے اعمال اور اقوال کا وزن کیا جائے گا''

دیکھیے! دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک افعال اور دوسرا اقوال۔ قرآن مجید سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ

''اچھا کلام اسی کو پہنچتا ہے اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے''

كَلِمُ الطَّيِّب سے اقوال اور عَمَلُ الصَّالِح سے افعال۔ یہی دو چیزیں ہی محفوظ ہو رہی ہیں، اور قیامت کے دن انہی دو چیزوں کا حساب ہوگا۔

اَلْقِسْط کی لغوی وصرفی تحقیق:

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ قَالَ مُجَاهِد: اَلْقُسْطَاس؛ اَلْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ

اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قسطاس کا معنیٰ عدل ہے اور یہ رومی زبان کا لفظ ہے۔

یہاں پر طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لفظ تو قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے، پھر یہ رومی زبان کا لفظ کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْم

علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ ابتداء میں یہ رومی زبان کا لفظ تھا۔ مگر چونکہ یہ عربی زبان کے قواعد وضوابط پر پورا اترتا تھا اس لیے عربوں نے بھی اس کو استعمال کرنا شروع کردیا ع

ہر چہ در کانِ نمک رفت نمک شد

''نمک کی کان میں جو چیز چلی جاتی ہے وہ نمک ہو جاتی ہے۔''

لہٰذا اب یہ قرآن مجید کا لفظ کہلائے گا...... عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ

آگے فرماتے ہیں:

وَ يُقَالُ: اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ

''اور کہا جاتا ہے کہ قِسْط مُقْسِطُ کا مصدر ہے۔''

اَلْقِسط کا مطلب ہے، انصاف۔ یہ مُقْسِطُ کا مصدر ہے مُقْسِط کا مطلب ہے، انصاف پرور۔ چنانچہ الْمُقْسِطُ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے۔ یہ بابِ افعال سے ہے۔ اَقْسَطَ يُقْسِطُ اِقْسَاطاً فَهُوَ مُقْسِطٌ

پھر آگے فرمایا:

وَ اَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ

''اور قاسط ظالم ہوتا ہے۔''

قَاسِطُ کی جمع ہے قُسَّاط اور قَسْطًا وَ قُسُوْطًا ناانصافی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر قِسْط ہوگا تو ''انصاف'' کا معنی دے گا اور اگر قَسْطًا اور قُسُوطاً ہوگا تو اس کا معنی ''ناانصافی'' ہوگا۔

معتزلہ کا رد:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اس آیت کو یہاں لانے کا یہ تھا کہ معتزلہ کا رد ہو

جائے...... معتزلہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں ایک فرقہ تھا جو عقل پرست تھا۔ وہ فرقہ یہ کہتا تھا کہ جو چیز عقل میں نہ آئے، وہ چیز ممکن نہیں ہوسکتی۔ وہ کہتے تھے کہ انسان کی باتوں کو کیسے ناپا جا سکتا ہے؟ کیسے تولا جا سکتا ہے؟ یہ عقل میں نہیں آتا۔ اعمال کا وزن ہو ہی نہیں سکتا...... حالانکہ قرآن مجید میں وزن ہونے کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَاب وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

چیزوں کو ناپنے کے مختلف پیمانے:

آج سائنس نے یہ ثابت کر دیا کہ بعض ایسی چیزوں کو بھی ناپا جا سکتا ہے جن کا ماپنا پرانے زمانے میں ممکن نہیں تھا۔ مثلاً:

...... بلڈ پریشر۔ آج ماپ لیتے ہیں کہ بندے کا کتنا بلڈ پریشر ہے۔

...... بخار۔ تھرمامیٹر کے ذریعے سے بخار کو ماپا جاتا ہے۔

...... شوگر۔ شوگر کتنی ہے؟ اس کو بھی ماپ لیتے ہیں۔

...... نمی۔ کسی کمرے میں نمی کتنی ہے؟ اس کے لیے ہومیڈ ئی میٹر بن گئے۔ اس سے نمی ماپ سکتے ہیں۔

...... بجلی کے وولٹیج، فریکونسی اور کرنٹ کو ماپ لیتے ہیں۔

چنانچہ میزان کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ایک ترازو ہوگا اور اسی پر ہر چیز تولی جائے گی۔ یہ اللہ کی اپنی قدرت ہے کہ وہ ترازو کس قسم کا ہوگا۔ مگر یہ عین ممکن ہے کہ انسان کے اعمال اور اقوال کو تولا جا سکے۔ پہلے زمانے میں تو انسان کی بات کو پکڑا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ آج ٹیپ بن گئی ہے اور وہ بندے کی پوری بات کو محفوظ کر لیتی

ہے۔جس پروردگار نے دنیا میں باتوں کو محفوظ کروادیا، وہ باتوں کو تولنے کے آلات بھی بنوادے گا۔البتہ یہ بات پکی ہے کہ قیامت کے دن اعمال بھی تلیں گے اور اقوال بھی تلیں گے۔

وزنِ اعمال کا فائدہ:

ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اعمال کے وزن کا فائدہ کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب سن لیجیے۔

⊙......لِاِظْهَارِ الْعَدْلِ۔اللہ تعالیٰ عدل کے اظہار کے لیے میزان عدل کو قائم کریں گے۔

⊙......لِاِظْهَارِ صِفَةِ الْقِسْطِ لِاَنَّہ مُقْسِطٌ۔چونکہ اللہ تعالیٰ انصاف پرور ہیں، لہٰذا وہ میزانِ عدل کو قائم کریں گے تاکہ انصاف کی صفت کا ظہور ہو۔

اس لیے میزان عدل قائم کیا جائے گا۔

میزانِ عدل......احادیث کی روشنی میں:

اب رہ گئی یہ بات کہ میزانِ عدل کی تفصیل کیا ہے؟ احادیث میں اس کی بہت ساری تفصیلات ہیں۔

⊙......حدیث جبرئیل میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا:

یا محمد! ما الایمان؟

تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْمِيْزَانِ))

اس حدیث مبارکہ میں تذکرہ ہے کہ میزان قائم ہوگا۔

⊙ ...... حاکم نے ''مستدرک'' میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

يُوْضَعُ الْمِيْزَانُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَلَوْ وُزِنَ فِيْهِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ لَوَسِعَتْ

''قیامت کے دن میزان کو پیش کیا جائے گا، اگر آسمانوں اور زمین کا اس میں وزن کرنا چاہیں گے تو وہ ان کے وزن سے بھی زیادہ گنجائش کا ہوگا۔''

ایسا میزان ہوگا۔

⊙ ...... ایک حدیث مبارکہ، جس کو ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے نقل کیا ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں:

اَلْمِيْزَانُ لَهٗ لِسَانٌ وَّ كَفَّتَانِ

''میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔''

زبان کا مطلب، سوئی۔انڈی کیٹر۔ یہ بتاتی ہے کہ پلڑا ادھر جھک رہا ہے یا اُدھر جھک رہا ہے۔اس کے دو پلڑے ہوں گے۔ایک میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے میں گناہ۔ پھر سوئی بتائے گی کہ کون سا پلڑا بھاری ہے۔

⊙ ...... ذہن میں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میزان میں تولے گا کون؟ حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے۔

صَاحِبُ الْمَوَازِيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جِبْرِيْلُ علیہ السلام

''قیامت کے دن میزان کرنے کے ذمہ دار جبرئیل علیہ السلام ہوں گے۔''

⊙ ...... ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں:

يُحَاسَبُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ كَانَتْ حَسَنَاتُهٗ اَكْثَرَ بِوَاحِدَةٍ

دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ كَانَتْ سَيِّئَاتُهُ اَكْثَرَ مِنْ حَسَنَاتِهِ بِوَاحِدَةٍ دَخَلَ النَّارَ

''قیامت کے دن انسانوں کا حساب ہوگا۔ جس کی ایک نیکی بھی گناہ سے زیادہ ہوگی وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور جس کا ایک گناہ زیادہ ہو گا تو اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔''

⊙ ...... ایک اور روایت ہے جو ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

يُؤْتٰى بِسَيِّئَاتِ الْعَبْدِ وَحَسَنَاتِهِ فَيُقْضٰى بَعْضُهَا بِبَعْضٍ فَاِنْ بَقِيَتْ وَاحِدَةٌ وَسَّعَ اللّٰهُ لَهٗ فِي الْجَنَّةِ

''(قیامت کے دن) بندے کی نیکیوں اور برائیوں کو پیش کیا جائے گا۔ بعض نیکیاں بعض گناہوں کے ساتھ کفایت کریں گی (یعنی گناہوں کو نیکیوں کی وجہ سے ختم کر دیا جائے گا۔ اب کیا ہوگا؟) اگر ایک نیکی بھی بچ گئی تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو جنت عطا فرما دیں گے''

⊙ ...... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

خَلَقَ اللّٰهُ كَفَّتَيِ الْمِيْزَانِ مِثْلَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَقَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ يَا رَبَّنَا مَا تَزِنُ بِهٰذَا؟ قَالَ اَزِنُ بِهٖ مَنْ شِئْتُ

''اللہ تعالیٰ نے میزان کے پلڑے آسمان اور زمین کی مانند بہت بڑے بنائے ہیں۔ جب ملائکہ نے دیکھا تو انہوں نے پوچھا: اے ہمارے پروردگار! آپ اس میزان کے ذریعے کس کا وزن کریں گے؟ اللہ نے فرمایا: میں جس کا چاہوں گا اس کا وزن کروں گا۔''

⊙ ...... بیہقی نے ''شعب'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام

نے ارشاد فرمایا:

يُؤتٰى بِا بْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُوْقَفُ بَيْنَ كَفَّتَيِ الْمِيْزَانِ وَيُوَكَّلُ بِهٖ مَلَكٌ فَاِنْ ثَقُلَ مِيْزَانُهٗ نَادَى الْمَلَكُ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ الْخَلَائِقَ: سَعِدَ فُلَانٌ سَعَادَةً لَا يَشْقٰى بَعْدَهَا اَبَدًا ، وَاِنْ خَفَّ مِيْزَانُهٗ نَادَى الْمَلَكُ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ الْخَلَائِقَ: شَقِيَ فُلَانٌ شَقَاوَةً لَا يَسْعَدُ بَعْدَهَا اَبَدًا

''قیامت کے دن اولادِ آدم کو پیش کیا جائے گا۔ دو پلڑوں کے درمیان اس کو کھڑا کر دیا جائے گا۔ پھر یہ کام ایک فرشتے کو سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا تو فرشتہ ایک منادی کرے گا، ایسی آواز کے ساتھ جس کو ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں بندہ ایسی نیک بختی پا گیا کہ اب اس کے بعد وہ بد بخت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کا (نیکیوں کا) پلڑا ہلکا ہو گیا تو فرشتہ ایک اعلان کرے گا، ایسی آواز کے ساتھ جس کو ساری مخلوق سنے گی کہ فلاں بندہ ایسی بد بختی پا گیا کہ اب اس کے بعد وہ نیک بخت نہیں ہو سکتا۔''

اس لیے قیامت کا دن ہمارے لیے ہار اور جیت کا دن ہوگا۔ اگر ہم جیت گئے تو بہت بڑی جیت ہے اور اگر ہار گئے تو پھر ایسی ہار دنیا میں ہے ہی نہیں۔

وزن کس چیز کا ہوگا؟

٭ ایک بحث چل پڑی کہ قیامت کے دن وزن ہوگا کس کا؟

......بعض علما نے کہا: اعمال کا وزن ہوگا۔

......بعض نے کہا: نامہءاعمال (یعنی جو دفتر لکھے ہوئے ہوں گے) کا وزن ہوگا۔

......بعض نے کہا: انسانوں کا اپنا وزن ہوگا۔

احادیث مبارکہ سے یہ تینوں چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱)......اعمال کا وزن ہوگا:

پہلی بات یہ ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا۔ اس کے بارے میں احادیث میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔

⦿ ......ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْمِیْزَانُ لَهُ كَفَّتَانِ وَلِسَانٌ یُوْزَنُ بِهَا الْحَسَنَاتُ وَ السَّیِّئَاتُ فَیُؤْتٰی بِالْحَسَنَاتِ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَتُوْضَعُ فِیْ كَفَّةِ الْمِیْزَانِ فَتَثْقُلَ عَلَى السَّیِّئَاتِ فَتُؤْخَذُ فَتُوْضَعُ الْجَنَّةُ عِنْدَ مَنَازِلِهٖ ثُمَّ یُقَالُ لِلْمُؤْمِنِ: اَلْحَقُّ بِعَمَلِكَ، فَیَنْطَلِقُ اِلَى الْجَنَّةِ فَیَعْرِفُ مَنَازِلَهٗ بِعَمَلِهٖ ،وَ یُؤْتٰی بِالسَّیِّئَاتِ فِیْ اَبْغَضِ صُوْرَةٍ فَتُوْضَعُ فِیْ كَفَّةِ الْمِیْزَانِ فَتَخَفُّ، وَالْبَاطِلُ خَفِیْفٌ، فَتُطْرَحُ فِیْ جَهَنَّمَ اِلٰى مَنَازِلِهٖ مِنْهَا وَیُقَالُ: اَلْحَقْ بِعَمَلِكَ اِلَى النَّارِ فَیَاتِیَ النَّارُ فَیَعْرِفُ مَنَازِلَهٖ بِعَمَلِهٖ، وَ مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ اَنْوَاعِ الْعَذَابِ

''میزان کے دو پلڑے ہوں گے اور ایک اس کی زبان (سوئی) ہوگی۔ نیکیوں کو بہت خوب صورت شکل میں پیش کیا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر زیادہ وزنی ہوگئیں تو اس بندے کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور اس مومن کو کہا جائے گا: تو اپنے عملوں کے ساتھ ملحق ہوجا (مل جا)۔ وہ جنت کے درجوں پر چڑھے گا اور اپنی منزل کو اپنے عملوں کی وجہ سے پہچان لے گا (کہ یہ میرا مکان ہے)۔''

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے دن میزان عدل میں انسان کے اعمال کو تولا جائے گا۔

◉......عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْأُ الْمِيْزَانِ

''سبحان اللہ پڑھنے سے آدھا پلڑا ابھر جاتا ہے اور الحمد للہ پڑھنے سے پورے میزان کا پلڑا ابھر جاتا ہے۔''

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

◉......عبداللہ بن عمرؓ سے ہی ایک اور روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ نُوْحًا لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَعَا ابْنَيْهِ فَقَالَ: آمُرُكُمَا بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، فَاِنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرْضِيْنَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لَوْ وُضِعَتْ فِيْ كَفَّةِ الْمِيْزَانِ وَوُضِعَتْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِي الْكَفَّةِ الْاُخْرٰى كَانَتْ اَرْجَحُ مِنْهَا۔

''جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم لا الٰہ الا اللہ کی تسبیح پڑھو۔ اگر ایک پلڑے میں سات زمینوں اور سات آسمانوں کو رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الٰہ الا اللہ کے عمل کو رکھ دیا جائے تو یہ کلمے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔''

اس حدیث سے بھی پتا چلتا ہے کہ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

◉......ایک اور حدیث پاک ہے جسے امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ ابو الدرداؓ روایت فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ شَيْءٍ اَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ مِنَ الْخُلُقِ الْحَسَنِ

''میزان میں کوئی چیز اچھے اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں ہوتی۔''

یعنی انسان جتنے بھی اعمال کرے گا، ان میں سے اس کی خوش خلقی سب سے

وزنی عمل ہو گا...... اللہ اکبر!!!...... بھئی! ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کریں تا کہ اس کی برکت سے قیامت کے دن ہمارا نیکیوں کا پلڑا زیادہ بھاری ہو جائے۔

⊙...... طبرانی کی ایک روایت ہے جو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا:

يَا اَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَ اَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ مِنْ غَيْرِهِمَا؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ: عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ، وَطُوْلِ الصَّمْتِ؛ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا تَجَمَّلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهَا۔

''اے ابو ذر! کیا میں تمہیں دو ایسی باتیں نہ بتاؤں کہ جن کا کرنا تو بہت آسان ہے اور میزان میں باقی عملوں سے زیادہ بھاری ہیں؟ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ضرور بتایئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم حسنِ خلق کو اپنے اوپر لازم کر لو اور طویل خاموشی کو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ انسان کو اس سے زیادہ خوبصورتی اور زینت اور کوئی نہیں عطا کی گئی۔''

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اندر حسنِ خلق بھی پیدا کریں اور زیادہ چپ رہنے کی بھی عادت ڈالیں۔ تا کہ قیامت کے دن نیکیوں کا پلڑا زیادہ بھاری ہو۔ آج کل کے بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں۔ آج کل چھوٹے، بڑوں کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں۔ اچھے اخلاق بہت کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اسے بہت ہی زیادہ عام کرنا چاہیے۔

⊙...... ایک اور حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے وزنِ اعمال کے بارے میں

بتایا......توجہ طلب بات ہے......اس کو امام احمد نے نقل کیا ہے۔فرماتے ہیں:

تَعَبَّدَ رَاهِبٌ فِيْ صَوْمَعَتِهٖ سِتِّيْنَ سَنَةً، فَنَظَرَ يَوْمًا فِيْ غِبِّ السَّمَآءِ فَقَالَ: لَوْ نَزَلْتُ فَإِنِّي لَا أَرٰى اَحَدًا فَشَرِبْتُ مِنَ الْمَاءِ وَتَوَضَّأْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ اِلٰى مَكَانِيْ فَنَزَلَ فَعَرَضَتْ لَهٗ اِمْرَاَةٌ فَتَكَشَّفَتْ لَهٗ، فَلَمْ يَمْلِكْ نَفْسَهٗ اَنْ وَقَعَ عَلَيْهَا فَدَخَلَ بَعْضَ تِلْكَ الْخُدْرَانِ يَغْتَسِلُ فِيْهِ، وَ اَدْرَكَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ، وَمَرَّ بِهٖ سَائِلٌ فَاَوْمَأَ اِلَيْهِ اَنْ خُذِ الرَّغِيْفَ رَغِيْفًا كَانَ فِيْ كِسَائِهٖ ۔ فَاَخَذَ الْمِسْكِيْنُ الرَّغِيْفَ وَمَاتَ الرَّاهِبُ فَوُزِنَ عَمَلُ سِتِّيْنَ سَنَةً فَرَجَحَهُ الزِّنَا، فَوُضِعَ الرَّغِيْفُ فَرَجَحَ عَمَلُهٗ فَغُفِرَلَهٗ

''ایک راہب نے اپنے عبادت خانے میں ساٹھ سال عبادت کی۔ایک دن اس نے اپنی کھڑکی سے باہر پانی کی جگہ میں جھانکا اور کہنے لگا: اگر میں نیچے اتر کر یہاں سے پانی پی لوں تو میں کسی کو دیکھوں گا بھی نہیں اور پانی بھی پی لوں گا، وضو بھی کرلوں گا، پھر میں واپس اپنی جگہ پر آ جاؤں گا۔ چنانچہ وہ (اپنے عبادت خانے سے) نیچے اترا۔ایک عورت آ گئی اور اس عورت کے جسم سے کپڑا ہٹ گیا۔اس نے اس عورت کے حسن و جمال کو دیکھا تو وہ اپنے آپ کو روک نہ سکا (اپنے آپ کو کنٹرول نہ کر سکا) اور اس نے اس عورت سے زنا کا ارتکاب کرلیا۔اس کے بعد وہ ایک جگہ پر غسل کے لیے داخل ہوا اور اسے موت آ گئی۔وہ اس حال میں تھا کہ اس کے آخری سانس تھے۔اس کے پاس ایک سائل آ گیا (ایک مانگنے والا فقیر آ گیا)۔جب اس (فقیر) نے اس سے سوال کیا تو راہب نے اس کو اشارہ کیا کہ یہ میرا تھیلا ہے اور اس میں روٹی کا ٹکڑا ہے۔اس کپڑے میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔مسکین نے اس کپڑے میں سے

روٹی کا ٹکڑا لے لیا اور راہب مر گیا۔ اس راہب کی ساٹھ سال کی عبادت کا وزن کیا گیا تو زنا کا گناہ سب سے زیادہ بھاری نکلا ..... اللہ اکبر کبیرا .....!!! یہ بہت توجہ طلب بات ہے۔ ساٹھ سال کی عبادت ایک طرف اور زنا کا گناہ ایک طرف۔ ایک زنا کا گناہ ساٹھ سال کی عبادت پر بھاری ہو گیا۔ پھر روٹی کا ایک ٹکڑا رہ گیا تھا جو اس نے سائل کو دیا تھا۔ چنانچہ پھر اس ٹکڑے کو لایا گیا اور اس کی نیکیوں کے پلڑے میں ڈالا گیا۔ پھر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اور اس بندے کو بخش دیا گیا۔ (اس آخری جملے پر حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ آبدیدہ ہو گئے)

ذرا سوچیے کہ اخلاص کے ساتھ اگر چھوٹا سا عمل بھی کیا جاتا ہے تو میزان میں کتنا وزنی ہوتا ہے کہ وہ گناہوں کے پلڑے کو ہلکا کر دیتا ہے۔ اس حدیث پاک سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

⊙ ...... ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

من توضا فمسح بثوب نظيف فلا باس به، ومن لم يفعل فهو افضل ، لان الوضوء يوزن يوم القيامة مع سائر الاعمال -

''جو شخص وضو کرے پھر وہ صاف کپڑے سے اس کو صاف کر لے، خشک کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر ایسا نہ کرے تو یہ بہتر ہے، اس لیے کہ قیامت کے دن باقی اعمال کے ساتھ انسان کے وضو کو بھی تولا جائے گا۔''

اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ اعمال کا وزن ہو گا۔

⊙ ...... ایک اور حدیث پاک ہے جس کو طبرانی نے ''اوسط'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَوَّلُ مَا يُوْضَعُ فِيْ مِيْزَانِ الْعَبْدِ نَفَقَتُهٗ عَلٰى اَهْلِهٖ

’’(قیامت کے دن) نیکی کے پلڑے میں سب سے پہلے جو عمل ڈالا جائے گا وہ بندے کا اپنے اہل خانہ کو دیا جانے والا نفقہ (خرچہ) ہے۔‘‘

اللہ اکبر کبیراً......!!!

اگر وسعت ہو تو گھر والوں کو تنگی نہیں دینی چاہیے۔ نہ ہو تو پھر تو صبر والی بات ہے۔ مگر بعض مرد حضرات اس کو ٹول (ہتھیار) کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ بیویوں کو ستاتے ہیں، ان کا دل دکھاتے ہیں اور ان کو خرچے سے تنگ رکھتے ہیں۔ بھئی! تربیت کا معاملہ ایک حد تک ہوتا ہے، لیکن اذیت کی حد تک نہ پہنچے۔ خود تو دوستوں میں بیٹھا رس گلے کھا رہا ہے اور گھر والوں کے پاس بچوں کو دینے کے لیے دودھ بھی نہیں ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے اپنے اہلِ خانہ کو خرچہ دیتا تھا، اس کو نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ چنانچہ ہر انسان چاہے گا کہ میرا عمل ایسا ہو جو نیکی کے پلڑے کو جھکا دے۔ اس لیے ہمیں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ خرچ کے معاملے میں اپنی استطاعت کے مطابق حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

(۲)......نامہء اعمال کا وزن ہوگا:

جن علما نے کہا کہ اعمال نامے کو تولا جائے گا ان کے پاس بھی دلائل ہیں۔

⊙......امام ترمذی اور امام حاکم نے ابن عمروؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُصَاحُ بِرَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُنْشَرُ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ سِجِلًّا كُلَّ سِجِلٍّ مِّنْهَا مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ: اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا؟ فَيَقُوْلُ: لَا يَا رَبِّ! فَيَقُوْلُ: اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُوْنَ؟ فَيَقُوْلُ: لَا يَارَبِّ فَيَقُوْلُ لَا ظَلَمَكَ اللّٰهُ؟ فَيَهَابُ الرَّجُلُ

فَيَقُوْلُ: لَا يَا رَبِّ! فَيَقُوْلُ: بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدِيْ حَسَنَةً وَ اِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ ، فَتُخْرَجُ لَهٗ بِطَاقَةٌ فِيْهَا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ، فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ! مَاهٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ؟ فَيَقُوْلُ: اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ، فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِيْ كَفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ ،فَيَقُوْلُ: اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةِ وَلَا يَثْقُلُ مَعَ اِسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ ۔

’’قیامت کے دن میری امت کے ایک بندے کو پیش کیا جائے گا۔اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر ہوں گے۔ان میں سے ایک ایک دفتر اتنا بڑا ہوگا کہ جہاں تک نگاہ جائے گی وہ دفتر نظر آئے گا۔اس سے یہ کہا جائے گا: یہ جو تیرے گناہ لکھے ہوئے ہیں ان کرتوتوں میں سے تو کسی کا انکار کرتا ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں انکار نہیں کرتا، میں نے خطائیں کی ہیں۔اس سے پوچھا جائے گا: کیا تمہارے اوپر میرے لکھنے والے فرشتوں نے کوئی ظلم کیا؟ (کیا کچھ زیادہ لکھ دیا ہے؟)۔وہ کہے گا: نہیں، اے پروردگار! نہیں۔کہا جائے گا: کیا اللہ نے تیرے اوپر ظلم کیا؟ وہ بندہ اس بات کو سن کر ڈر جائے گا۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! نہیں ،آپ نے ظلم نہیں کیا (میں نے ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں ماری تھیں)۔اس سے کہا جائے گا: البتہ تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے اور آج کے دن تیرے اوپر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالا جائے گا جس پر کلمہ شہادت (اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد عبده ورسوله) لکھا ہوگا۔پھر وہ بندہ پوچھے گا: اے پروردگار! گناہوں کے اتنے دفتروں کے مقابلے میں یہ کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا کیا وقعت رکھتا ہے؟اس سے کہا جائے گا: تمہارے اوپر

ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ایک پلڑے میں اس کے گناہوں کے ننانوے دفتروں کو رکھا جائے گا اور کاغذ کے اس ٹکڑے کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ گناہ ہلکے ہو جائیں گے اور وہ کاغذ کے ٹکڑے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا: تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کاغذ کا ٹکڑا اس لیے بھاری ہو جائے گا کہ اللہ کے نام سے کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی۔''

سوچیے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے ہاں اس کلمے کی کیا قدر و قیمت ہو گی! اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے دن نامہ اعمال کو تولا جائے گا۔

☆......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

تُوْضَعُ الْمَوَازِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُؤْتٰى بِالرَّجُلِ فَيُوْضَعُ فِي كَفَّةٍ، وَ يُوْضَعُ مَا اُحْصِيَ عَلَيْهِ، فَتَمَايَلَ بِهِ الْمِيْزَانُ فَيُبْعَثُ بِهٖ اِلَى النَّارِ فَاِذَا اُدْبَرَ بِهٖ اِذَا صَائِحٌ يَصِيْحُ مِنْ عِنْدِ الرَّحْمٰنِ: لَا تَعْجَلُوْا فَاِنَّهٗ قَدْ بَقِيَ لَهٗ، فَيُؤْتٰى بِبِطَاقَةٍ فِيْهَا شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَتُوْضَعُ مَعَ الرَّجُلِ فِيْ كَفَّةٍ حَتّٰى يَمِيْلَ بِهِ الْمِيْزَانُ

''قیامت کے دن نامہ اعمال کو لایا جائے گا اور ایک پلڑے میں بندے کے اعمال کو رکھا جائے گا اور دوسرے پلڑے میں ایک بطاقہ (کاغذ کا ٹکڑا) رکھا جائے گا، اس پر کلمہ شہادت لکھا ہوا ہو گا۔ پلڑے میں اس کو آدمی کے ساتھ ہی رکھا جائے گا۔ تو وہ بطاقہ والا پلڑا اس کے گناہوں والے پلڑے سے بھاری ہو جائے گا۔''

اس حدیث مبارکہ سے بھی پتا چلتا ہے کہ اعمال نامے کو تولا جائے گا۔

(۳)......انسانوں کا وزن ہوگا:

بعض علما نے کہا کہ میزان عدل میں اشخاص کو تولا جائے گا۔اس بات کے دلائل بھی موجود ہیں۔

⊙......عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی پنڈلیاں پتلی سی تھیں۔بعض صحابہ نے جب ان کو دیکھا تو مسکرا دیے۔ان کو مسکراتا دیکھ کر نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ وَالَّذِىْ نَفْسِى بِيَدِهٖ لَهُمَا فِى الْمِيْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ اُحُدٍ

”تم ان کی پتلی پنڈلیوں پر ہنستے ہو۔اللہ کی قسم!جس کے قبضے میں میری جان ہے،یہ پنڈلیاں میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔“

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بندے کو بھی تولا جائے گا۔

⊙......ایک اور دلیل سنیے۔اس روایت کو شیخان نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَ تَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شَبْعَهٗ وَرِيَّهٗ وَ رَوْثَهٗ وَبَوْلَهٗ فِى مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

”جس نے اللہ کے راستے میں نکلنے کے لیے گھوڑا پالا،اللہ پر ایمان اور تصدیق کے ساتھ،چنانچہ اس گھوڑے کا چارہ،اور اس کا پینا اور اس کی لید اور اس کا پیشاب،قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے کے اندر تولا جائے گا۔“

اس سے پتا چلتا ہے کہ واقعی انسان کو اور اس کی ایسی چیزوں کو تولا جائے گا۔

⊙......اس پر ایک اور حدیث پاک بھی دلیل ہے۔نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

رَاَیْتُ لِامْرَأَةٍ اَنَّهٗ اُتِیَ بِهَا اِلٰی کَفَّةِ الْمِیْزَانِ فَوُضِعَتْ فِیْهَا وَ وُضِعَ فِی الْکَفَّةِ الْاُخْرٰی جَبَلُ اُحُدٍ فَرَجَحَتْ بِهٖ، فَقَالَ النَّاسُ: مَارَاَیْنَا هٰذَا قَطُّ۔ فَقِیْلَ: اِنَّهٗ تُوُفِّیَ لَهَا اِثْنٰی عَشَرَ مِنَ الْوَلَدِ فَکَانَتْ تَکْظِمُ الزَّفْرَةَ وَتَرُدُّ الْعِبْرَةَ

''میں نے ایک عورت کو دیکھا جسے لایا گیا اور اسے میزان کے ایک پلڑے میں ڈالا گیا۔ اور دوسرے پلڑے میں احد پہاڑ کو رکھا گیا۔ تو وہ عورت احد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری نکلی۔ لوگوں نے کہا: ہم نے تو ایسا کبھی نہیں دیکھا (کہ ایک عورت احد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہو)۔ ان کو بتایا گیا: اس عورت کے بارہ بچے فوت ہوئے، یہ آہیں پی جاتی تھی اور آنسوؤں کو روک لیتی تھی۔ (اس کے صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے احد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری کر دیا)''

دیکھیں! زندگی میں جو مشکلیں اور مصیبتیں آتی ہیں، ان پر جو لوگ صبر کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اللہ کی نظر میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزن رکھنے والے ہوں گے۔

تینوں قسم کی احادیث میں تطبیق:

احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اعمال کو تولا جائے گا، اعمال نامے کو تولا جائے گا یا بندوں کو تولا جائے گا۔ علما نے ان تینوں باتوں کو تطبیق یوں دی ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی اپنی منشا اور اپنا فیصلہ ہوگا۔ چاہیں گے تو بندے کے عملوں کو تول دکھائیں گے، چاہیں گے تو نامہ اعمال کے دفتروں کو تول دیں گے اور چاہیں گے تو کسی بندے کو تول دیں گے۔ یہ اس مالک الملک کی مرضی ہے، جس کے لیے جو چاہے

معیار مقرر کر دے۔یعنی قیامت کے دن ان تینوں میں سے کوئی ایک صورت ہر بندے کو پیش آئے گی۔

جتنا اخلاص اتنا وزن:

اب حدیث پاک کی طرف دوبارہ توجہ کیجیے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' لائے۔اور بخاری شریف کے آخر میں ایسی حدیث لائے جس میں وزن اعمال کا تذکرہ ہے۔اس میں معرفت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس بندے نے عمل کو جتنا صحیح نیت سے کیا ہوگا قیامت کے دن اس کے اعمال میزان میں اتنے ہی زیادہ وزنی ہوں گے۔ اگر بندہ اخلاص کے ساتھ کوئی عمل کرے گا تو میزان کے اندر اس کا وہ عمل بہت زیادہ بھاری ہوگا۔اس پر کئی روایات ہیں۔

☆...... نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''میرے ایک صحابی کا ایک مُد جو خرچ کرنا دوسروں کے احد پہاڑ کے صدقہ کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔''

کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا اخلاص تو کسی دوسرے کے پاس نہیں ہوسکتا۔جو اعمال انسان اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے اور ان کو دوسروں سے چھپاتا ہے،ان اعمال کا وزن بھی قیامت کے دن بہت زیادہ ہوگا۔

☆...... سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لِفَضْلِ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ الَّذِيْ لَا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ عَلٰى غَيْرِهٖ سَبْعُوْنَ ضَعْفًا فَيَقُوْلُ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، وَجَمَعَ اللّٰهُ الْخَلَائِقَ لِحِسَابِهِمْ، وَجَاءَتِ الْحَفَظَةُ بِمَا حَفِظُوْا وَكَتَبُوْا، قَالَ اللّٰهُ لَهُمْ:

اُنْظُرُوْا هَلْ بَقِيَ لَهُ مِنْ شَيْءٍ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: مَا تَرَكْنَا شَيْئًا مِمَّا عَلِمْنَاهُ وَ حَفِظْنَاهُ إِلَّا وَ قَدْ أَحْصَيْنَاهُ وَ كَتَبْنَاهُ ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: إِنَّ لَكَ عِنْدِيْ خَبِيئًا لَا تَعْلَمُهُ وَ أَنَا أَجْزِيْكَ بِهِ الْيَوْمَ وَ هُوَ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ

ایک ہوتا ہے لسانی ذکر، جس کو فرشتے سنتے ہیں اور ایک ہوتا ہے قلبی ذکر، جسے خفی ذکر بھی کہتے ہیں، اس کو فرشتے نہیں سن پاتے۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ جس ذکر کو فرشتے نہیں سن پاتے وہ جہری ذکر سے ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

آج دنیا پوچھتی ہے کہ ذکر خفی کا ثبوت کہاں ہے؟ دیکھو! اس حدیث پاک میں ذکر خفی کا تذکرہ ہے یا نہیں؟

ریا والے اعمال بے وقعت ہوں گے:

جو بندہ ریا کاری کے لیے اعمال کرے گا اس کے اعمال قیامت کے دن ہلکے ہوں گے۔

☆...... چنانچہ شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾

''ایک بندے کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ وہ بڑا ہو گا، صحت مند ہو گا۔ اس کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، پھر نبی علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی:

﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾

''قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کا وزن لائیں گے بھی نہیں (یعنی ان کا

وزن زیرو ہوگا)۔

☆......ایک اور حدیث مبارکہ اسی ریاکاری کے متعلق سن لیجیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

يُجَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصُحُفٍ مُخْتَمَةٍ فَتُصَبُّ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: اَلْقُوْا هٰذَا وَ اَقْبَلُوْا هٰذَا۔ فَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ: وَ عِزَّتِكَ مَا كَتَبْنَا اِلَّا مَا عَمِلَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: اِنَّ هٰذَا كَانَ لِغَيْرِ وَجْهِي، وَاَنَا لَا اَقْبَلُ الْيَوْمَ اِلَّا مَا ابْتُغِيَ بِهٖ وَجْهِي

''قیامت کے دن ایک ایسا بندہ آئے گا جس کا نامہء اعمال مہر شدہ ہو گا (پیک کیا ہوا ہوگا)۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: یہ یہ (اعمال) پیچھے ہٹا دو اور یہ یہ قبول کرلو۔ فرشتے کہیں گے: آپ کی عزت کی قسم! ہم نے وہی لکھا جو اس نے عمل کیا (آپ اس کے عملوں کو رد کیوں فرما رہے ہیں؟) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اس نے یہ عمل میرے غیر کی رضا کے لیے کیا تھا اور آج کے دن میں صرف وہ عمل قبول کروں گا جو میری رضا کے لیے کیا گیا ہو۔''

تو بھئی! عمل کر کے بھی کچھ ہاتھ نہ آیا تو کیا فائدہ؟ اس لیے اگر انسان عمل کرے تو فقط اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کرے۔

☆......بیہقی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُنَادِيْ مُنَادٍ، مَنْ كَانَ اَشْرَكَ فِيْ عَمَلِهٖ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ

''اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن اگلے اور پچھلے سب لوگوں کو جمع کرے گا۔

ایک ندا دینے والا اس وقت ندا دے گا: جس بندے نے اپنے عمل میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا، اس کو چاہیے کہ وہ اس شریک سے اپنے عمل کا اجر اور بدلہ لے لے"

یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اس عمل کا کوئی اجر نہیں دے گا۔

طلبا سے گزارش ہے کہ اس سبق کو پلے باندھ لیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میں نے پہلی حدیث اس لیے نقل کی کہ نیت ٹھیک ہو جائے اور آخری حدیث اس لیے نقل کی کہ جتنی نیت ٹھیک ہوگی اتنا ہی اس عمل کا وزن زیادہ ہو گا۔ لہٰذا ہمیں اپنے اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنے چاہییں۔

حدیث مبارکہ کی تشریح:

اب طلبا حدیث مبارکہ کی طرف توجہ دیں تاکہ اس کے مضمون کے بارے میں بھی پڑھ لیا جائے۔

حَدَّثَنِیْ اَحْمَدُ بْنُ اِشْکَابٍ............

یہ اس حدیث پاک کے راوی ہیں جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی۔ ان سے یہ رواۃ کا سلسلہ چلتا ہوا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ یہ وہ صحابی ہیں جنھوں نے نبی علیہ السلام سے سب سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ، خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ، ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

ترجمہ: دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں۔

⊙...... کَلِمَتَانِ کا مطلب ہے دو کلمے...... اس سے نحوی کلمہ مراد نہیں ہے...... بلکہ اس کا مطلب ہے دو جملے۔

⊙...... حَبِيْبَتَـانِ کا مطلب ہے محبوبتان، کہ یہ دونوں کلمے اللہ کو بڑے پسند ہیں۔ یہ دونوں جملے بھی اللہ کو پسند ہیں اور ان جملوں کو کہنے والا بندہ بھی اللہ کو پسند ہے۔ وہ بھی اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

⊙...... اِلَـى الرَّحمٰنِ۔ رحمان کو بڑے پیارے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تو ننانوے نام ہیں۔ لیکن یہاں پر رحمٰن کے نام کو پسند فرمایا۔ کیوں؟ اس لیے کہ رحمٰن صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنوں اور غیروں سب پر مہربان ہو، اور تھوڑے سے عمل پر زیادہ اجر دینے والا ہو۔ تو یہاں چونکہ چھوٹے سے عمل پر اجر زیادہ ملنا تھا اس لیے یہاں اللہ رب العزت کے نام ''رحمٰن'' کو استعمال کیا گیا۔

⊙...... خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ۔ زبان پر لانے میں بڑے ہلکے ہیں۔ خفیفتان اس لیے کہا گیا کہ ان جملوں کے حروف بہت تھوڑے ہیں اور ان کے حروف بھی ایسے ہیں جو زبان پر آسانی سے جاری ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کو خفیف کہا گیا۔ بندہ تھوڑے سے وقت میں زیادہ نفع کما لیتا ہے۔

⊙...... ثَقِيْلَتَانِ۔ بھاری ہیں۔ ثَقِيْلَتَانِ کے لفظ سے موضوع باب ثابت ہو گیا۔ امام بخاری ترجمۃ الباب میں جو حدیث لائے اس کا مطلب کیا تھا۔ فرمایا: ثَـقِيلَتَـانِ فِي الْمِيْزَانِ، وہ اعمال میزان میں بھاری ہوں گے۔

یہاں پر دو نکتے ہیں۔ طلبا ذرا توجہ فرمائیں۔

(۱)...... كَلِمَتَـانِ کے بعد یہ نہیں کہا گیا کہ وہ زبان پر لانے میں ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہوں گے۔ بلکہ پہلے کہا گیا: حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ۔ یہ کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ ہر عمل کا مقصود یہ ہے کہ وہ عمل اللہ کو پسند آ جائے۔ تو چونکہ مقصد یہ تھا اس لیے حَبِيْبَتَـانِ کا لفظ پہلے لائے۔ اللہ کو پسند ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم جو عمل بھی کریں وہ اللہ کی رضا کے لیے کریں۔

(۲)...... جب طالب علم پڑھتا ہے کَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ، تو وہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے شاعری میں وزن کا خیال کرتے ہوئے کلام کرتے ہیں اسی طرح یہ مسجع کلام کیا گیا ہے۔ جیسے قافیے اور ردیف ملا کر بات کی گئی ہے۔ تو محدثین نے یہ لکھا ہے کہ اگر بلا تکلف مسجع کلام ادا ہو جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ تکلف سے بچنا چاہیے۔ البتہ اگر بلا تکلف ادا ہو جائے تو اچھی بات ہے۔ محدثین نے نبی علیہ السلام کے اس کلام سے بھی اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے۔

◉...... سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ یہاں پر نبی علیہ السلام نے تسبیح کو تحمید پر مقدم کیا۔ یعنی تسبیح کا ذکر پہلے اور تحمید کا ذکر بعد میں ہے۔ وجہ کیا ہے؟ اس لیے کہ تسبیح میں مذمومات سے تنزیہہ ہوتی ہے اور تحمید میں صفات سے اتصاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ پہلے کپڑے کو صابن لگا کر مٹی سے پاک کر دیتے ہیں اور پھر اس کے اوپر خوشبو لگاتے ہیں، بالکل اسی طرح تنزیہہ پہلے اور صفات سے اتصاف، اس کے بعد ہوتا ہے۔

ویسے بھی تسبیح میں نفی ہے اور تحمید میں اثبات۔ اور ہمارے کلمہ طیبہ میں بھی یہی ہے۔ لا الہ میں نفی اور الا اللہ میں اثبات۔ محدثین نے لکھا ہے کہ تسبیح کو پہلے اور تحمید کو بعد میں لانے میں راز یہ تھا کہ تسبیح میں تَخَلِّيْ عَنِ الرَّذَائِلِ (رذائل سے پاک ہونا) ہے اور تحمید میں تَخَلِّيْ بِالْفَضَائِلِ (فضائل کا حاصل ہونا) ہے۔ اس لیے جو انسان اپنے دل کو صاف کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے دل کو نور سے بھر دیتے ہیں۔

اس مضمون کی روایتیں اور بھی حدیث کی کتب میں موجود ہیں۔

◉...... چنانچہ ایک حدیث پاک میں ہے۔

جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ،فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جِئْتُكَ تُعَلِّمُنِیْ عِلْمًا یُدْخِلُنِیَ الْجَنَّةَ وَ یُنَجِّیْنِیْ مِنَ النَّارِ۔فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ :اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی كَلِمَتَیْنِ ثَقِیْلَتَیْنِ فِی الْمِیْزَانِ خَفِیْفَتَیْنِ عَلَی اللِّسَانِ تُرْضِیَانِ الرَّحْمٰنَ وَ تُسْخِطَانِ الشَّیْطٰنَ ،تَقُوْلُ: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ ، فَاِنَّهُمَا الْمُقَرِّبَتَانِ مِنَ الْجَنَّةِ وَ یُبْعِدَانِ مِنَ النَّارِ

''ایک شخص نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے ایسا علم سکھا دیجیے کہ جس کے ذریعے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں اور جہنم سے بچ جاؤں۔ نبی علیہ السلام نے اس کو فرمایا: کیا میں تمہیں دو ایسے کلمے نہ سکھا دوں جو میزان میں بھاری، زبان پر لانے میں ہلکے، رحمان کو راضی کرنے والے اور شیطان کو غصہ دلانے والے ہیں۔ (وہ کون سے ہیں؟) تم یوں کہو: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ یہ دونوں کلمے انسان کو جنت کے قریب کر دیتے ہیں اور جہنم سے دور کر دیتے ہیں۔''

⊙......ایک اور حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِهٖ فِیْ یَوْمٍ مِاَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَایَاهُ وَ اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ

''جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کا ذکر کیا اسکے گناہ دھو دیے جاتے ہیں اگر چہ وہ گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔''

عزیز طلبا! اگر وقت مل جائے تو سبحان اللہ وبحمدہ کی تسبیح سے روزانہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ معاف کروالیا کریں۔

⊙......حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :اَیُّ الْکَلَامِ اَفْضَلُ ،قَالَ :مَا اصْطَفَی اللّٰہُ لِلْمَلٰئِکَۃِ

''نبی علیہ السلام سے پوچھا گیا:کون سا کلمہ افضل ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا:وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے پسند کیا۔''

اور فرشتوں کا کلام کیا ہے؟ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے اسم ''عظیم'' کا تذکرہ کیا گیا۔عظیم کا تذکرہ کرنے سے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان کا احساس پیدا ہوتا ہے اور دل پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

علما نے لکھا ہے: رحمٰن کے لفظ سے امید، اور عظیم کے لفظ سے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ یہ امید اور خوف ، دونوں ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہوتے ہیں۔لہٰذا اس حدیث سے دونوں باتوں کا ثبوت مل گیا۔لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو کتاب کے آخر میں اس لیے لائے کہ وہ اللہ کی رحمت سے قبولیت کے امیدوار تھے اور اللہ کی عظمت سے اس کے رد ہونے پر خوف زدہ تھے۔

تین نصیحتیں:

عزیز طلبا! چونکہ یہ آپ کے بخاری شریف کے سبق کی آخری حدیث تھی اس لیے آج آپ سے مختصر انداز میں تین باتیں کرنی ہیں تاکہ آپ کے لیے نصیحت ، وصیت کے رنگ میں رہے۔

(۱)......اشاعتِ علم:

پہلی بات تو یہ کہ جو آپ نے پڑھا، اس سے آپ پکے طالب علم ہو گئے۔ یہ نہیں کہ اب آپ عالم بن گئے۔ عالم بننے کے لیے تو زندگی لگانی پڑتی ہے۔رسوخ فی العلم

کرنے کے لیے تو زندگی لگانی پڑتی ہے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب آپ پکے طالب علم بن گئے ہیں کہ آپ نے آٹھ سال پڑھ کر اپنے طالب ہونے کی سند لے لی۔

⊙.....اب جب آپ پکے طالب علم بن گئے تو مدرسے سے آپ گھروں کو جائیں گے تو کون سا کام کریں گے؟ اسی علم کو آگے پھیلانے والا کام کریں گے۔ سنیے: نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

''مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

تو جو بندہ نبی علیہ السلام کا وارث بننا چاہے گا وہ بھی وہی کام کرے گا جو نبی علیہ السلام نے کیا۔ چنانچہ آپ بھی معلم بننے کی کوشش کیجیے۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں، جی! میرے والد فلاں جگہ بزنس کرتے ہیں کیا ہم بھی کر سکتے ہیں۔ بھئی! ہم نہ تو کام سے روکتے ہیں اور نہ ہی نوکری سے روکتے ہیں، بلکہ ہم تو علم کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنے کی بات کرتے ہیں۔ آپ فجر کی نماز کے بعد کسی مسجد میں تفسیر پڑھائیں، حدیث کا درس دیں یا طلبا کو پڑھائیں۔ کسی باقاعدہ ادارے میں نہیں تو انفرادی طور پر ہی کسی کو پڑھائیں۔ مقصد تو علم کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنا ہے۔ اگر آپ صبح کے وقت میں فارغ نہ ہوں تو شام کو پڑھا لیں۔ مگر تعلیم کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہے گا تو آپ کو نبی علیہ السلام کی وراثت والی فضیلت حاصل رہے گی۔ پھر جو لوگ آپ سے دین سیکھیں گے ان کا ثواب آپ کو ملے گا۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

يُجَاءُ بِعَمِلِ الرَّجُلِ فَيُوْضَعُ فِي كَفَّةِ الْمِيْزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فيخف فَيُجَاءَ بِشَيْءٍ اَمْثَالُ الْغَمَامِ فَيُوْضَعُ فِيْ كَفَّةِ مِيْزَانِهٖ فَيَرْجَحُ فَيُقَالُ لَهٗ: اَتَدْرِيْ مَاهٰذَا؟ فَيَقُوْلُ: لَا، فَيُقَالُ لَهٗ: هٰذَا فَضْلُ الْعِلْمِ الَّذِيْ

كُنْتَ تُعَلِّمُهُ النَّاسَ

قیامت کے دن ایک بندے کو لایا جائے گا، پھر اسے میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔ ایک چیز بادل کی مانند آئے گی اور وہ اس کے نیکیوں کے پلڑے میں آ جائے گی اور نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا: کیا تو جانتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، (مجھے نہیں پتہ کہ کیا ہے؟) اس سے کہا جائے گا: یہ اس علم کا اجر ہے جو تو لوگوں کو دیا کرتا تھا (آج اس کی وجہ سے اللہ نے تیرے نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر دیا)

آپ ایک کو پڑھائیں گے تو وہ آگے سینکڑوں کو پڑھائے گا، پھر وہ آگے ہزاروں کو پڑھائیں گے۔ یوں سارے کا سارا اجر آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ کیونکہ

اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ

اسی سے متعلقہ ایک حدیث مبارکہ اور بھی ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

يَجِيْءُ رَجُلٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَرٰى عَمَلَهُ مُحْتَقِرًا فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ جَاءَهُ مِثْلُ السَّحَابِ حَتّٰى يَقَعَ فِي مِيْزَانِهِ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَا كُنْتَ تُعَلِّمَ النَّاسَ مِنَ الْخَيْرِ فَوُرِثَ بَعْدَكَ فَأُجِرْتَ فِيْهِ

''ایک آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ وہ اپنے عملوں کو دیکھے گا تو وہ حقیر ہوں گے (یعنی نیکیاں تھوڑی ہوں گی)۔ ابھی یہی معاملہ ہوگا کہ ایک بادل آئے گا اور اس کی نیکیوں کے پلڑے میں آ جائے گا۔ اس سے کہا جائے گا: یہ وہ ہے جو تو لوگوں کو بھلائی کی باتیں کرتا تھا......''

دیکھا! بندے کی اپنی نیکیاں تو تھوڑی ہوں گی لیکن لوگوں کو جو خیر کی بات بتائی

ہوگی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس عمل کی وجہ سے اس بندے کی بھی مغفرت فرمادیں گے۔ تو اس سے قیامت کے دن مغفرت بھی آسان ہو جائے گی۔

کثرتِ درود شریف کا فائدہ:

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جو لوگ حدیث پاک کی تعلیم دیتے ہیں وہ نبی علیہ السلام پر درود شریف بھی زیادہ پڑھتے ہیں۔ انہیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

کتنی بار پڑھنا پڑتا ہے۔ تو درود شریف کی کثرت بھی وہی لوگ کرتے ہیں جو پڑھنے اور پڑھانے میں لگے رہتے ہیں۔ اس درود شریف کی کثرت کی وجہ سے بندے کو نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک اور نسبت نصیب ہو جاتی ہے۔

مشکل گھڑی میں مدد کیسے پہنچی؟

اب ایک حدیث مبارکہ ذرا توجہ کے ساتھ سنیے۔ اس کو ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ان لا دم من اللّٰہ عزوجل موقفا فی فسح من العرش علیه ثوبان اخضران کانه نخلة سحوق ،ینظر الی من ینطلق به من ولده الی الجنة، وینظر الی من ینطلق به من ولده الی النار، فبینما آدم علی ذالك .ذنظر الی رجل من امة (محمد) ﷺ ینطلق به الی النار فینادی آدم :یا احمد یا احمد،فیقول: لبیك یا ابا البشر! فیقول :هذاالرجل من امتك منطلق به الی النار فاشد المئزروا هرع فی اثر الملئكة واقول: یا رسل ربی ! قفوا؛ فیقولون:نحن الغلاظ الشداد الذین لا تعصی امراللّٰہ ما امرنا،و نفعل ما نومر،

فاذا یدی النبی ﷺ قبض علی لحیته بیده الیسری واستقبل العرش بوجهه فیقول: یا رب! قد وعدتنی ان لا تخزینی فی امتی فیاتی النداء من عند العرش: اطیعوا محمدا و ردوا عن العبد الی المقام، فاخرج من حجزتی بطاقة بیضاء کالانملة فالقیها فی کفة المیزان الیمنی، وانا اقول: باسم اللّٰہ، فترجع الحسنات علی السیئات، فینادی سعد وسعد جده و ثقلت موازینه انطلقوا به الی الجنة فیقول: یا ملائکة قفوا حتی اسال العبد الکریم علی ربه فیقول بابی انت وامی ما احسن وجهک واحسن خلقک، من انت؟ فقد اقلت عثرتی رحمت عتبی فیقول: انا نبیک محمد، وهذه صلاتک التی وافتک احوج ما تکون الیها

''قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کے لیے عرش کے پاس ایک جگہ ہوگی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دو سبز چادریں لپیٹی ہوئی ہوں گی (سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے)۔ حضرت آدم علیہ السلام کا اتنا اونچا قد ہوگا جتنا کھجور کا لمبا درخت ہوتا ہے۔ جب ان کی اولاد میں سے کوئی بندہ جنت کے درجے چڑھے گا تو آدم علیہ السلام اس کو چڑھتا دیکھیں گے۔ اور ان کی اولاد میں سے جو جہنم کے اندر جائے گا، وہ (اونچے قد کی وجہ سے) اس کو بھی دیکھیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام اسی حال میں ہوں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام امت محمدیہ میں سے ایک ایسے بندے کو دیکھیں گے جس کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا۔ آدم علیہ السلام آواز دیں گے: یا احمد! یا احمد!۔ (آدم علیہ السلام نبی علیہ السلام کو پکاریں گے: یا احمد! یا احمد! جب نبی علیہ السلام کو آواز پڑے گی تو) نبی

علیہ السلام فرمائیں گے: اے بشر کے باپ! لبیک سعدیک۔ آدم علیہ السلام کہیں گے: یہ آپ کی امت کا ایک بندہ ہے۔ اس کو تو آگ کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ (نبی علیہ السلام فرماتے ہیں) میں اپنی تہبند کو کس کے باندھ لوں گا اور فرشتے اس بندے کو جس طرف لے کر جا رہے ہوں گے، میں ان کے قدموں پر چلوں گا (پیچھے جاؤں گا) اور میں یہ کہوں گا: اے میرے پروردگار کے کارندو! رک جاؤ۔ وہ فرشتے آگے سے جواب دیں گے: ہم سخت گیر ہیں (شدت کرنے والے ہیں)، ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے ہم اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ کرتے ہیں جس کا ہمیں حکم دیا جاتا ہے۔ اس وقت نبی علیہ السلام اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی ریش مبارک پر رکھیں گے اور اپنا چہرہ مبارک عرش کی طرف کریں گے۔ فرمائیں گے: اے میرے پروردگار! آپ نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا کہ میری امت کے معاملے میں آپ مجھے رسوا نہیں فرمائیں گے۔ پھر عرش سے ایک ندا آئے گی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانو اور اس بندے کو اس کے مقام پر واپس لے جاؤ (جہاں میزان عدل قائم کیا گیا تھا، جب وہ بندہ میزان عدل کے پاس آجائے گا تو نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ) میں اپنی چادر کے پلے (ڈب) سے انگلی کے پور کے برابر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالوں گا۔ میں اس (ٹکڑے) کو میزان کے نیکی والے پلڑے میں ڈال دوں گا اور میں کہوں گا: بسم اللہ (اللہ کے نام سے)۔ اس بندے کی نیکیوں کا پلڑا گناہوں کے پلڑے سے جھک جائے گا۔ پس اعلان کر دیا جائے گا: یہ شخص نیک بخت بن گیا اور اس کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ اس کو جنت کی طرف لے جاؤ۔ وہ بندہ کہے گا: اے ملائکہ! رک جاؤ، حتی کہ میں اس کریم شخص سے معلوم کروں کہ یہ کون ہے؟ (جس نے کاغذ کا چھوٹا سا پرزہ میرے پلڑے کے

اندر ڈالا)۔ پس وہ کہے گا: آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کا چہرہ کتنا خوبصورت ہے! اور آپ کے اخلاق کتنے اچھے ہیں! آپ کون ہیں؟ آپ نے تو میرے گناہوں کو کم کر دیا اور میرے عذاب کو مجھ سے ہٹا دیا۔ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں: (میں یہ کہوں گا کہ) میں تمہارا نبی محمد ﷺ ہوں اور یہ وہ درود شریف ہے جو تو میرے اوپر پڑھتا تھا، اور اب یہ تجھے ایسے وقت میں پہنچ گیا ہے جب تو اس کا بڑا محتاج تھا۔''

قیامت کے دن اس درود شریف کی برکت سے اللہ رب العزت اس گناہگار کی مغفرت فرما دیں گے۔ اگر ہم بھی کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھیں گے تو ہمارے نامہ اعمال میں بھی وہ بطاقہ آئے گا جو ہمارے گناہوں کو ہلکا کر دے گا اور ہماری نیکیوں کو وزنی کر دے گا۔

(۲)......خدمتِ خلق:

دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ امتحانوں کے بعد مدرسے سے فارغ ہوں گے تو آپ کو چاہیے کہ نیت یہ کریں کہ ہم نے جہاں بھی جا کر زندگی گزارنی ہے، ہم نے وہاں اللہ کے بندوں کی خدمت کرنی ہے۔ اس لیے کہ جو اللہ کے بندوں کی خدمت کرتا ہے، قیامت کے دن اس کو نبی علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی۔ ذرا توجہ کے ساتھ حدیث مبارکہ سنیے!

ابونعیم نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَضٰى لِاَخِيْهِ حَاجَةً كُنْتُ وَاقِفًا عِنْدَ مِيْزَانِهٖ فَاِنْ رَجَحَ فِيْهَا وَ اِلَّا شَفَعْتُ لَهٗ

’’جس نے اپنے بھائی کے کسی کام کو پورا کر دیا میں اس کے میزان کے پاس کھڑا ہوں گا۔ اگر نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا تو بہت اچھا، اور اگر گناہ کا پلڑا بھاری ہو گیا (تو چونکہ اس نے اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کیا ہو گا اس عمل کی وجہ سے) میں اس کی شفاعت کر دوں گا۔‘‘

دیکھیے! جب آپ اللہ کے بندوں کی خدمت کریں گے تو قیامت کے دن اللہ کے محبوب ﷺ کی شفاعت نصیب ہو گی۔ بھئی! دنیا داروں کو دیکھا۔ کہ وہ بھی اپنے اداروں کے باہر لکھوا دیتے ہیں:

Come to learn, Leave to serve.

’’سیکھنے کے لیے آؤ، خدمت کرنے کے لیے جاؤ۔‘‘

جب دنیاوی فنون سیکھنے والوں کا یہ ذہن بنایا جاتا ہے کہ تم دوسروں کی خدمت کرو تو پھر ہم دین پڑھنے والوں کو تو اس بات کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

(۳)......فتنوں سے بچنے کی دعا:

تیسری بات یہ ہے کہ یہ فتنوں کا دور ہے۔ شہوات اور شبہات، دونوں طرح کے فتنے بہت عام ہیں۔ یہ وہی زمانہ ہے کہ جس کے بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: ’’قربِ قیامت میں ایک ایسا وقت آئے گا کہ صبح ایک آدمی اٹھے گا تو ایمان والا ہو گا اور شام کو سونے کے لیے بستر پر جائے گا تو ایمان سے خالی ہو چکا ہو گا۔ ایسے وقت میں ہمیں چاہیے کہ ہم رات کے آخری پہر میں نفل پڑھنے کی عادت بنائیں اور اس وقت اللہ رب العزت سے اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے دعائیں مانگیں: اے ربِ کریم! ہمیں فتنوں سے محفوظ فرما لے۔ یہ انتہائی اہم ہے۔ جو مانگے گا اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور زاری کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت بھی فرمائیں گے۔

انسان کے پھسلنے کا پتہ نہیں چلتا۔اس لیے یہ کام کرتے بھی رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہنا چاہیے۔دونوں کام ضروری ہیں۔ چنانچہ جو آدمی اللہ رب العزت کے سامنے رات کے وقت میں روتا ہے،اس کا ایک ایک آنسو جہنم کی آگ کو بجھا دینے کے لیے کافی ہے۔جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنَّا نَزِنُ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ کُلَّھَا اِلَّا الْبُکَاءَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَطْفِیْءُ بِالدَّمْعَۃِ الْوَاحِدَۃِ بُحُوْرًا مِنْ نَّارِ جَھَنَّمَ

''ہم بنی آدم کے تمام اعمال کا وزن کریں گے،سوائے رونے کے،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایک آنسو کی وجہ سے جہنم کی آگ کے سمندروں کو بجھا کے رکھ دیں گے۔''

بس! رونے کی عادت بنالیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔وہ اگر مدد کرے گا تو ہم ایمان کی حفاظت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوں گے۔

مجھے تو وہ واقعہ یاد آرہا ہے کہ بارش ہونے کے بعد باپ اور بیٹی سفر کر رہے تھے۔آگے پھسلنے کی جگہ تھی۔ چنانچہ باپ نے بیٹی سے کہا: بیٹی! میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لے،کہیں پھسل نہ جانا۔ بیٹی کہنے لگی:ابو! میں آپ کا ہاتھ پکڑ بھی لوں گی،اگر میں پھسل بھی گئی تو جلدی ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی،آپ میرا ہاتھ پکڑ لیں، مجھے یقین ہے کہ آپ میرا ہاتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

اے اللہ! ہمارا معاملہ بھی وہی ہے،اگر ہم نے آپ کا دامن پکڑ بھی لیا تو ہم کمزور ہیں، چھوڑ بیٹھیں گے،ہم تو پھسل جائیں گے،شیطان اور نفس ہمارے پیچھے ہے۔ میرے مولیٰ! ہم اتنی فریاد کرتے ہیں کہ آپ اپنی رحمت کے ہاتھ سے ہمارا بازو پکڑ لیجیے،ہمیں یقین ہے کہ جب آپ بازو پکڑ لیتے ہیں تو پھر اسے چھوڑا نہیں کرتے۔

اللہ رب العزت کے حضور ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما

دے اور ہمیں موت کے وقت ایمان کی حفاظت کے ساتھ اس دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝﴾

یک زمانہ صحبتے با اولیا

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامعہ مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

برموقع: سالانہ نقشبندی اجتماع ۱۴۲۸ھ مطابق 2007ء

اقتباس

میرے دوستو! ہم اپنے آپ کو مٹی سمجھیں اور اپنے آپ کو کسی اللہ والے کے حوالے کر دیں، پھر وہ ہمیں جس شکل میں ڈھالے ڈھلتے چلے جائیں۔ پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت ہمیں کیسے معرفت کے جام پلائیں گے۔ دیکھیں کہ جس پودے کا مالی کوئی نہ ہو وہ کتنا بدصورت ہوتا ہے! اس کی شاخیں کسی ڈھب پر نہیں ہوتیں، ٹیڑھا میڑھا ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کا کوئی مالی ہو تو وہ اس کی شاخوں کو تراشتا ہے اور اس طرح یہ پودا دیکھنے میں بھی دیدہ زیب اور جاذب نظر ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارا بھی کوئی نگہبان ہو۔ اس نگہبان کو شیخ کہتے ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

یک زمانہ صحبتے با اولیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد !
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ
وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

تقویٰ کا حکم:

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

''اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ!''

اے ایمان والو! اے وہ بندو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے حکموں کو ماننے کا اقرار کر چکے ہو! جو عہد کر چکے ہیں کہ ہم اللہ رب العزت کے حکم کو مانیں گے اور اس کے محبوب کے طریقے کو اپنائیں گے۔ اتقوا اللہ اللہ سے ڈرو!، تقویٰ اختیار کرو! اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو تقویٰ حاصل کرنا یہ مؤمن کے لیے ضروری ہے۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟

تقویٰ کہتے ہیں ہر اس چیز کو ترک کر دینا جس کے اختیار کرنے سے تعلق باللہ

میں فرق آجائے۔ جو چیز بھی اللہ رب العزت سے دوری کا باعث بنے اس کو چھوڑ دینا تقویٰ کہلاتا ہے۔لہٰذا تقویٰ کے تین مراتب ہیں:

(۱) پہلا ہے ''کفر اور شرک کو چھوڑ دینا'' کفر اور شرک سے توبہ کرنا خلود فی النار سے بچاؤ کا سبب ہے۔ جو آدمی کفر اور شرک سے بچ گیا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں رکھا جائے گا، خلود فی النار کے عذاب سے اور ہمیشہ ہمیشہ والے عذاب سے بچ گیا۔

(۲) دوسرا ہے '' ترک معاصی''معصیت کو چھوڑ دینا، یہ دخول فی النار سے بچاؤ کا سبب ہے۔

(۳) تیسرا ہے ''مشتبہات سے بچنا'' ایسا انسان جنت کے اندر اللہ رب العزت کے ہاں بڑے مراتب پانے کا حقدار بن جاتا ہے۔لہٰذا انسان جتنا تقویٰ اختیار کرے اتنا کم ہے۔

تقویٰ کی تاکید:

قرآن مجید میں تقویٰ کی تاکید بار بار آئی ہے۔ بلکہ کہیں تو ایک ہی آیت میں دو دو دفعہ تقویٰ کا لفظ آیا ہے۔ جب ایک سانس میں ایک بات کو دو مرتبہ دہرایا جائے تو بات کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے آگے کیا (سامان) بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو! بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خبر دار ہے''

دیکھیں ایک ہی آیت ہے اتقوا اللہ کے بعد پھر اتقوا اللہ اس کا مطلب ہے

کہ اللہ رب العزت کے ہاں تقویٰ کی اتنی اہمیت ہے۔ اس لیے اس کو اختیار کیے بغیر کوئی انسان ولی نہیں بن سکتا۔ قرآن مجید میں فرمادیا کہ

﴿اِنْ اَوْلِيَاءُ هٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الانفال: ۳۴)

''اللہ کے ولی وہی ہیں جو متقی ہوتے ہیں''

تو ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم تقویٰ بھری زندگی گزاریں۔

تقوی کی وصیت:

جب کوئی وصیت کے رنگ میں کوئی نصیحت کرتا ہے تو اس نصیحت کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (النساء: ۱۳۱)

''ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی یہ وصیت کی تھی تمہیں بھی یہ وصیت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو!''

تو تقویٰ وہ چیز ہے کہ جس کی اللہ رب العزت نے وصیت فرمائی ہے۔

تقوی کی ترغیب:

ارشاد فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: ۱۶)

''تقوی اختیار کرو جتنی تمہاری استطاعت ہے''

یعنی تم جتنے تیز گھوڑے دوڑا سکتے ہو اس میدان میں دوڑا لو۔ میدان کھلا ہے، ہمت کرو اس میں جتنا آگے بڑھ سکتے ہو بڑھو۔ جتنا زیادہ تم تقویٰ اختیار کر سکتے ہو کرو۔

تقویٰ کیا ہے؟

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا کہ اگر تمہارے دل کی تمناؤں کو مجسم کر کے کسی طشتری کے اندر رکھ دیں اور اس کو سرِ بازار پھرائیں تو کوئی ایسی تمنا اس میں نہ ہو کہ جس پر تمہیں شرمندگی ہو اس کو تقوی کہتے ہیں۔ تو دل میں گناہ کی تمنا بھی نہ رکھنا اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

آسان لفظوں میں اگر کوئی چاہے کہ میں سمجھوں کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں تو تقویٰ یہ ہے کہ انسان ایسی زندگی گزارے کہ قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو۔ اپنی زندگی کے بارے میں یہ سوچیں کہ میری زندگی میں کوئی انسان ایسا ہے کہ جس کا دل میں نے دکھایا، جس کے حقوق ادا نہیں کیے، جس کو میں نے ستایا ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ قیامت کے دن وہ میرا گریبان پکڑ لے۔ ایسی زندگی گزارنا کہ قیامت کے دن انسان کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ ایسا انسان متقی ہوتا ہے۔

علمِ نافع کونسا علم ہے؟

اس تقویٰ پر اللہ رب العزت انسان کو وہ علم دیتے ہیں جو اس کو کتابوں میں بھی نہیں ملا کرتا۔ ایک ہے علمِ نافع، نفع دینے والا علم، یہی علم تو مانگا گیا ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا

''اے اللہ میں نفع دینے والا علم مانگتا ہوں''

یہ نفع دینے والا علم کون سا ہے؟ یہ وہ علم ہے جو انسان کے سینے میں نور بن کے آتا ہے۔ ایک ہوتی ہیں معلومات وہ تو عیسائیوں اور یہودیوں کے پاس بھی بہت ہیں۔

ایک ہوتا ہے علم یہ کوئی اور چیز ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بتاؤ علم کا مفہوم کیا ہے؟ کسی نے کہا کہ جاننا، کسی نے کہا پہچاننا، اپنا اپنا جواب دیتے رہے، حضرت خاموش رہے۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت! آپ ہی بتا دیجیے، تو حضرت نے فرمایا کہ علم وہ نور ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔ یہ ہے علم نافع۔

علم وبال:

اور ایک علم وبال ہوتا ہے اس علم کے باوجود انسان گمراہ ہوتا ہے۔ سنیے! قرآن عظیم الشان کیا کہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ ﴾

(الجاثیہ: ۲۳)

''کیا دیکھا آپ نے اسے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا، اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا''

تقویٰ اور علم کا تعلق:

اس لیے تقویٰ اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تقویٰ ہوگا تو علم نافع زیادہ ہوگا اور تقویٰ نہیں ہوگا تو علم وبال زیادہ ہوگا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت اس امت کی کشتی کیسے ڈوبے گی؟ تو فرمایا کہ علما کی وجہ سے۔ پھر پوچھا گیا کہ اس امت کی کشتی کنارے کیسے لگے گی تو فرمایا کہ علما کی وجہ سے۔ تو پوچھنے والا حیران ہوا کہ حضرت! کیا مطلب؟ فرمایا کہ جو علمائے سوء ہوں گے، نفس کے پجاری ہوں گے، نام کے عالم ہوں گے ان کی وجہ سے امت کی کشتی ڈوبے گی اور جو علمائے حق ہوں گے، ان کی وجہ سے یہ کشتی کنارے لگے گی۔ اس لئے تقویٰ میں کمی علم کی کمی کا

باعث بنتی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس میں تقویٰ نہیں تو وہ جلالین اور بیضاوی پڑھا نہیں سکتا۔ مسلم شریف اور بخاری شریف نہیں پڑھا سکتا۔ پڑھا سکتا ہے اگر یہ بندہ تقویٰ اختیار کرتا تو جتنا علم اب اس کے پاس ہے اس سے کئی گنا زیادہ علم اس کو عطا کر دیا جاتا۔ یہ مت سوچیے کہ میرے پاس تقویٰ نہیں اور میں بڑا ذہین ہوں، میں جماعت میں سب سے آگے ہوں، میں حدیث کو سمجھ لیتا ہوں۔ او اللہ کے بندے! اگر تم ان گناہوں کے ساتھ حدیث پاک کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہو تو اگر تقویٰ کو اختیار کر لیتے تو اللہ رب العزت تمہیں حفاظ حدیث میں شامل فرما دیتے۔ تقویٰ کی کمی کی وجہ سے آپ نے اپنے مرتبے کو کم کر لیا۔ چنانچہ ایسا شخص اپنے اعمال کی تاویل کرتا پھرے گا۔ جہاں اپنے نفس کا معاملہ آئے گا فتویٰ اور ہوگا اور لوگوں کے بارے میں فتویٰ کچھ اور ہوگا۔ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ تقویٰ زندگی میں نہیں ہے۔

علم کا مقصد......رضائے الٰہی کا حصول ہے:

چٹائیوں پر بیٹھ بیٹھ کر آدمی کے گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان پڑ جاتے ہیں مگر یاد رکھیں تقویٰ دل میں پیدا نہ ہو تو یہ نشان فائدہ نہیں دیں گے۔ کسی بیل کو دیکھ لیں گھوڑے اور گدھے کو دیکھ لیں ان کی ٹانگوں اور ٹخنوں پر بھی نشان نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی عالم یا طالب علم یہ سوچے کہ صفوں پر بیٹھ بیٹھ کر جسم پر نشان پڑ چکے ہیں تو اسے جان لینا چاہیے کہ اگر مقصود اللہ کی رضا ہے تو ایک ایک حرف پر اجر ملے گا اور اگر مقصود دنیا ہوگی تو یہ ایک بوجھ ہوگا جو گدھے کی پشت پر لاد دیا گیا۔

چنانچہ بنی اسرائیل کے علما کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (جمعہ: ۵)

''یہ گدھے ہیں جن کے اوپر بوجھ لادا ہوا ہے''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے گدھے کا لفظ استعمال فرمایا اور بے عمل پیر جو بنی اسرائیل کے تھے اللہ نے انہیں کتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

﴿ مَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ﴾(اعراف:۱۷۶)

''ان کی مثال کتے کی مثال ہے''

یہ بلعم باعورہ اپنے وقت کا پیر تھا مگر بے عمل نکلا، نتیجہ کیا نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی مثال کتے کی مانند ہے۔

حقیقی عالم کون ہے:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد سے سوءِ حافظہ کی شکایت کی

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَاَوْصَانِيْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِيْ
وَ نُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطِيْ لِعَاصِيْ

تو اس علم سے مراد ظاہری الفاظ نہیں تھے، علم کا نور تھا۔ وہ علم کا نور گناہوں کے سبب بندے سے چھین لیا جاتا ہے، بندے کو محروم کر دیا جاتا ہے۔ اب علم نافع کی کیا پہچان؟ علم نافع کی پہچان یہ ہے کہ جتنا یہ علم بڑھتا چلا جاتا ہے بندے کے دل میں خوف خدا اور خشیت بڑھتی چلی جاتی ہے یہ پہچان ہے علم نافع کی، چنانچہ فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾

''بے شک علما ہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں''

لہٰذا اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہوتا ہے؟ تو آسان لفظوں میں اس کی تعریف سن لیجیے۔

''جس بندے پر گناہوں کی جتنی زیادہ مضرتیں کھل جائیں وہ اللہ کی نگاہ میں اتنا ہی بڑا عالم بن جاتا ہے''

تو عالم کون؟ جس پر گناہوں کی مضرتیں کھل جائیں، نقصان کھل جائیں حتیٰ کہ وہ گناہ کے قریب بھی نہ جائے، یہ عالم ہے۔ اللہ کے ہاں یہ شخص علم رکھنے والا ہے۔ اسی لیے جس انسان کے اندر تقویٰ نہیں ہوتا، معصیت کی زندگی گزارتا ہے، نور نبوت کے علم سے اس کو محروم کر دیتے ہیں، وہ اس کو حاصل ہی نہیں کر سکتا۔

انسان اللہ رب العزت کے ہاں عالم بنے لیکن اس کے لیے تقویٰ لازمی ہے۔ پھر اللہ رب العزت وہ علم دیتے ہیں جو علم انسانوں کو عام کتابوں سے نہیں ملتا۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ

''مجھے میرے رب نے علم سکھایا اور بہترین علم سکھایا، مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا''

تو علم کون دیتا ہے اللہ رب العزت دیتے ہیں اور متقی بندے کو دیتے ہیں۔ جتنا تقویٰ زیادہ اتنا اللہ رب العزت اس کے اوپر اسرار و رموز کھولتے چلے جاتے ہیں۔

چنانچہ علمائے یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَوْ کَانُوْ یَعْلَمُوْنَ﴾ ''کاش کہ وہ جانتے!''

حالانکہ وہ علماء تھے لیکن وہ اللہ کی نظر میں بے علم ہیں تبھی تو فرمایا لَوْ کَانُوْ یَعْلَمُوْنَ۔ اور ایک اور جگہ فرمایا کہ

﴿وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

کہ تم کتاب پڑھتے ہو اور تمہارے پاس عقل کی رتی بھی نہیں۔

تو علم وہ ہے جس سے انسان کے دل میں خشیت الٰہی بڑھتی جائے

علم پر عمل ضروری ہے:

تو اب یہاں ایک نکتہ کی بات سمجھ لیجیے کہ ایمان کا محافظ علم ہے اور علم کا محافظ تقویٰ ہے۔ تقویٰ نہیں تو علم سے محروم، علم نہیں تو ایمان سے محروم۔ جو ایمان کی حفاظت چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے علم کو محفوظ رکھے اور جو علم کو محفوظ کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔ اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم بکثرت روایات کا نام نہیں، علم عمل کرنے کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ انہوں نے امام شافعی کو نصیحت فرمائی کہ آپ اپنے عمل کو آٹا بنائیں اور اپنے علم کو نمک کی مانند بنائیں۔ آپ حیران ہوں گے دنیا میں جتنے گمراہ فرقے بنے ہیں ان سب کے بانی عالم تھے مگر نام کے عالم تھے حقیقت میں جاہل تھے۔ تو معلوم ہوا کہ انسان اللہ رب العزت سے ڈرے اور علم نافع حاصل کرنے کی دعائیں مانگے اور یہ خشیت اور خوف خدا بندے کو اعمال کے اوپر کھڑا کر دیتے ہیں۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہر عالم کو چاہئے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کچھ نہ کچھ نیک اور مخفی اعمال کا ذخیرہ موجود ہو۔ لوگوں سے چھپ کر اللہ کے لئے عمل کرے کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دے کہ کیا عمل کیا۔ ہمارے اکابر ایسے ہی کیا کرتے تھے، زندگی میں کتنے اعمال ایسے کرتے تھے کہ ان کے پروردگار کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا، فقط اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے۔

اللہ متقی عالم سے ہی دین کا کام لیتے ہیں:

ایک یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ دین کا کام اللہ نے جب بھی لیا ظاہر اور باطن کے جو متقی علماء تھے ان سے دین کا کام لیا۔ آپ امت کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیجیے جن کو اللہ نے دین میں بلندی عطا فرمائی، دین میں قبولیت عطا فرمائی، یہ سب وہی

لوگ تھے جو مرج البحرین کی مانند تھے۔ علم ظاہر بھی تھا اور علم باطن بھی تھا۔ شریعت اور طریقت کے جامع تھے دونوں نعمتیں اللہ نے ان کو عطا فرمائیں تھیں۔ اسی لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علم چوں برتن زنی مارے بود
علم چوں بر دل زنی یارے بود

علم دین کو اگر تم جسم کی پرورش کا ذریعہ بناؤ گے تو یہ تمہارے لیے سانپ بن جائے گا اور اگر اس علم کو اپنے دل کے بیدار کرنے کا ذریعہ بناؤ گے تو یہ تمہارا یار بن جائے گا۔

بینی اندر خود علومِ انبیا
بے کتاب و بے معین استاد

اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اپنے اندر انبیا کا علم پاؤ گے۔ اللہ تمہیں وہ علم دے گا جو تمہیں عام کتابوں سے نہیں مل سکتا۔ بغیر کتاب اور بغیر استاد کے تعاون کے اللہ رب العزت تمہارے سینے کو علم کے نور سے بھر دے گا۔

تقوی کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقوی کیسے پیدا ہو؟ یہ تقویٰ اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کے دل خشیتِ الٰہی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدَنٌ وَ مَعْدَنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ

''ہر شئے کا ایک خزانہ ہوتا ہے اور تقوی کا خزانہ اولیاء اللہ کے دل ہوا کرتے ہیں''

اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے:

اسی لیے آگے فرمادیا:

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

''اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ''

یہ کونوا امر کا صیغہ ہے، گویا یہ اللہ کا حکم ہے۔ حکمِ خدا کی تعمیل بندے پر فرض ہے۔ فرمایا کہ وکونوا مع الصادقین تم سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ وہ کون سچے؟ جن کے ظاہر اور باطن میں فرق نہیں ہوتا۔ دورنگی سے جن کو اللہ تعالیٰ بچا کر اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کا مفہوم مشائخ وقت کو لیا ہے کہ تم مشائخ کی صحبت میں بیٹھو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ! چنانچہ علم کا لطف عمل کی برکت سے ہے، عمل کا لطف عشق الٰہی کی برکت سے اور عشقِ الٰہی ملتا ہے ان مشائخ کی صحبت سے۔ چنانچہ روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کونوا مع الصادقین کا مطلب یہ ہے کہ

''خَالِطُوهم لِتَكُونُوا مِثْلَهُمْ''

''ان سے ملو تا کہ تم ان جیسے ہو جاؤ''

اتنا ان کے ساتھ ملو، رابطہ رکھو کہ تم ان کی مانند بن جاؤ! کہتے ہیں ناں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ تو تم ان کے ساتھ اتنا آنا جانا رکھو، میل جول رکھو، اتنا رابطہ رکھو کہ ان کی کیفیات تمہارے اندر جذب ہو جائیں۔

فکل قرین بالمکارم یقتداء

''ہمیشہ جو اپنا ساتھی ہوتا ہے اس کی وہ پیروی کرتا ہے''

وہ بات مان لیتا ہے اور واقعی بات سچی ہے۔ چنانچہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے سے انسان ان کے باطنی کمالات کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اس پر کسی

عارف نے کہا ؎

یہاں تک جذب کرلوں کاش تیرے حسن کامل کو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گزر جاؤں جدھر سے میں

صحبت مؤثر ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ

المرء علی دین خلیله

''کہ بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے''

تو جب انسان اللہ والوں کی صحبت میں رہے گا تو یقیناً انہی کی عادات واطوار کو اپنائے گا۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

مجالسة الحريص ومخالطته تحرث الحرص ومجالسة الزاهد ومخالطته تزهد فى الدنيا لان الطباع مجبولة

''حریص بندے کی صحبت اور اس سے میل جول حرث پیدا کرتا ہے اور زاہد کی صحبت اور اس سے میل جول دنیا سے زہد پیدا کرتا ہے اس لیے کہ طبائع نقل کرتی ہیں''

حریص بندے کی صحبت بندے کے اندر حرص پیدا کر دیتی ہے اور کسی زاہد کی صحبت انسان کے اندر زہد فی الدنیا پیدا کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے انسانوں کی طبیعتوں کو بنایا ہی ایسا ہے کہ وہ مشابہت اختیار کرتی ہیں اور اقتدا کرتی ہیں۔ یعنی انسانوں کی فطرت ہی اللہ نے ایسی بنائی ہے کہ جس کے ساتھ رہتا ہے اسی جیسا بننا چاہتا ہے یا اس کے نقش قدم پہ چلنا چاہتا ہے۔ بلکہ فرماتے ہیں طبیعتیں دوسرے بندے کے اعمال کو اس طرح چوری کر لیتی ہیں کہ اسکو پتہ بھی نہیں چلتا کہ

میری عادات کو اپنایا گیا ہے۔ اسطرح طبیعتیں اپنے ساتھ والے کی عادات اپنا لیا کرتی ہیں۔

کئی لوگ کہتے ہیں کہ جی میں نے فاسق دوست تو بنائے ہوئے ہیں لیکن ان کی باتوں کا میرے اوپر اثر نہیں ہوتا۔ یہ سو فیصد غلط بات ہے کیونکہ آدمی پر تو جانوروں کی صحبت کا بھی اثر ہو جاتا ہے۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جو آدمی گھوڑوں کی سواری کرنے والا ہو اس کے اندر جوانمردی کا جذبہ ہوتا ہے، جو آدمی اونٹوں کی صحبت میں رہنے والا ہو اس کے اندر ہٹ دھرمی ہوتی ہے، جو بکریاں پالنے والا ہو اس میں عجز و انکساری ہوتی ہے۔ اگر ان جانوروں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی فطرت طبیعت پر اثر کرتی ہے تو جو انسانوں کے ساتھ رہے گا اس پر اثر کیوں نہیں ہوگا۔

''قال را بگذار مردِ حال شو''

تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی نیکوں کی صحبت کو اختیار کریں اور مشائخ کی صحبت کو اختیار کریں تا کہ ہمارے اندر حال پیدا ہو جائے ابھی تک تو ہم قال کے بندے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو
صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانب دلدار کن

کسی صاحب حال کے سامنے اپنے قال کو ڈال دو اور کسی مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر دو، سو کتابیں اور سو ورق بھلے تم آگ میں ڈال دو اپنی جان اور اپنے دل کو تم اللہ کے حوالے کر دو۔

کسی پنجابی شاعر نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا:

مٹی بن کے کمہار دے وس پییۓ تے پیالے والڑا بھیس وٹا لئیے

قسمت نال جے پک کے توڑ چڑھیے مزہ یار دے لباں دا پا لیے

مٹی بن کر ہم کسی کمہار کے ہاتھوں میں آئیں جو ہمیں پیالے کی شکل میں ڈھال دے۔ اگر قسمت سے ریاضت کی بھٹی سے پک کر نکلے تو محبوب کے لبوں سے لگنے کا ہمیں لطف نصیب ہو جائے گا۔

میرے دوستو! ہم اپنے آپ کو مٹی سمجھیں اور اپنے آپ کو کسی اللہ والے کے حوالے کر دیں، پھر وہ ہمیں جس شکل میں ڈھالے ڈھلتے چلے جائیں۔ پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت ہمیں کیسے معرفت کے جام پلائیں گے۔ دیکھیں کہ جس پودے کا مالی کوئی نہ ہو وہ کتنا بدصورت ہوتا ہے! اس کی شاخیں کسی ڈھب پر نہیں ہوتیں، ٹیڑھا میڑھا ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کا کوئی مالی ہو تو وہ اس کی شاخوں کو تراشتا ہے اور اس طرح یہ پودا دیکھنے میں بھی دیدہ زیب اور جاذب نظر ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارا بھی کوئی نگہبان ہو۔ اس نگہبان کو شیخ کہتے ہیں۔

صحبت کی اہمیت:

شاہ عبدالغنی پھول پوری (رحمۃ اللہ علیہ) سے کسی نے پوچھا کہ حضرت اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا اتنا ضروری کیوں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ! صحابی بن سکتے ہو، کہا نہیں۔ تابعی بن سکتے ہو؟ جی نہیں...... تبع تابعی بن سکتے ہو، نہیں...... کیوں کہ صحابی تو وہ ہے جس نے نبی ﷺ کی صحبت پائی اور تابعی وہ ہے جس نے صحابہ کی صحبت پائی اور تبع تابعی وہ ہے جس نے تابعین کی صحبت پائی۔ قرونِ ثلاثہ مشہور بالخیر تو یہی ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دیکھو اگر اللہ رب العزت کے ہاں اس لفظ سے زیادہ اور کوئی پسندیدہ لفظ ہوتا اللہ اپنے محبوب ﷺ کے شاگردوں کے لیے اس لفظ کو پسند فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابی کے لفظ کو پسند کیا، میرے محبوب ﷺ کے صحبت یافتہ،

صحبت پانے والے صحابہ کہلائے۔

امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) سے کسی نے سوال پوچھا کہ حضرت! سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ بڑا ہے یا عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بعد کے دور کے تھے اور خلیفہ ء عادل تھے جبکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت لڑائیاں رہیں۔ اور انہی جنگوں کی وجہ سے حالات پر امن نہ تھے اس لیے اس آدمی نے ان دو شخصیات کے بارے میں سوال کیا۔ امام شافعی نے ایسا جواب دیا جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا: جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیلیے نکلے اور ان کے گھوڑے کے نتھنوں میں جو گرد اور مٹی جا پڑی، عمر بن عبدالعزیز سے اس مٹی کا رتبہ بھی بڑا ہے۔ تو یہ فرق کس وجہ سے پڑا؟ صحبت کی وجہ سے پڑا۔

جو نعمتیں اور برکتیں صحبت سے ملتی ہیں وہ اس کے بغیر بندے کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کسی نے کہا: ؎

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا باجان جان ہمراز کردی

اسی لیے بزرگوں نے کہا:

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
او نشیند در حضور اولیا

ہر بندہ جو یہ چاہے کہ میں اللہ کے ساتھ صحبت اختیار کروں اس کے ساتھ بیٹھوں۔ اس کو چاہیے کہ وہ اولیا کی صحبت میں بیٹھے یہ باخدا لوگ ہیں، ان کو خدا کی معیت نصیب ہوتی ہے، چنانچہ ان کی ایک لحہ کی صحبت بندے کی زندگی کو بدلنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

''یک زمانہ صحبتِ با اولیا''

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شعراء جب اپنا کلام لکھتے ہیں تو افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس طرف رجحان ہوتا ہے بات کو لمبا کر دیتے ہیں اور جہاں نہیں ہوتا اس کو ضرورت سے زیادہ گھٹا دیتے ہیں۔ تو مجھے لگتا ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں کچھ ایسا ہی عمل کیا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لحہ بیٹھنا سو سال کی بے ریا عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر صرف عبادت کہہ دیتے تو پھر بھی بات سمجھ میں آ جاتی۔ سو سال کی بے ریاء عبادت تو سمجھ میں نہیں آ رہی۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حکیم الامت تھے فرمایا کہ اس شعر کو میں یوں پڑھتا ہوں: ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیا
بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریا

''اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لحہ گزارنا لاکھ سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے''

کہنے لگے کہ حضرت سو سال سمجھ میں نہیں آ رہے تھے اور آپ نے تو لاکھ سال کی بات کر دی۔ پھر حضرت نے ان کو تحقیقی انداز میں بات سمجھائی۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک بندہ لاکھ سال بے ریا عبادت کرے کیا اس کے پاس یقین دہانی ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوگا؟ یقین دہانی تو شاید کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ شیطان کی مثال

ہمارے سامنے ہے۔ زمین کے چپے چپے پر اس نے سجدہ کیا طاؤس الملائکہ اس کا نام پڑ گیا لیکن ایسی پھٹکار پڑی کہ رب کریم نے فرمادیا:

﴿ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ (الزمر: ۷۷۔۷۸)

''نکل جا یہاں سے! بے شک تو مردود ہے اور بے شک تجھ پر روز قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی''

اتنی عبادت مگر انجام اتنا برا۔ دنیا میں دیکھ لیجیے بلعم باعور بنی اسرائیل کا بڑا نیک عابد شخص تھا، مستجاب الدعوات بن گیا۔ جو دعا مانگتا تھا وہ دعا قبول ہو جاتی تھی لیکن ایسی پھٹکار پڑی کہ فرمایا:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ﴾
(اعراف:۱۷۶)

''اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کے درجے کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا''

خواہشات کی پیروی کی وجہ سے اللہ نے ایسی پھٹکار دی کہ تین سو سال عبادت میں گزارنے کے بعد بھی پھٹکارا گیا۔ جب یہ واقعات پڑھتے ہیں تو دل ڈرتا ہے کہ ہماری عبادت تو اتنی ہے نہیں، مقدار میں بھی اور معیار میں بھی کمتر ہے تو ہم کس کھاتے میں ہیں۔ فرمایا کہ اچھا میں آپ کو ایک حدیث سناؤں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هُمْ رِجَالٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ

''وہ، وہ بندے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے بد بخت نہیں ہوتا''

کہ یہ جو نیک لوگ ہیں، اولیاء اللہ ہیں، ان کی صحبت میں جو آنا جانا رکھتا ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں رہتا اور بد بخت وہ ہوتا ہے جو

موت کے وقت ایمان سے محروم ہو جائے۔ تو حدیث پاک بتا رہی ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے پر انسان کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے، ایمان کو لے کر سلامت چلا جاتا ہے۔ لہٰذا لاکھ سال کی عبادت پر بھی جس کا بھروسہ نہیں محبوب کی زبان مبارک سے یہ بشارت مل رہی ہے کہ چند لحوں کی صحبت سے اللہ رب العزت وہ نعمت عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ بد بخت نہیں ہو سکتا۔

مشاہیرِ امت اور صحبت اہل اللہ:

اگر ہم امت مسلمہ کی تاریخ کو دیکھیں تو جتنی بڑی بڑی ہستیاں گزری ہیں جن سے اللہ نے دین کا کام لیا سب نے مشائخ کی صحبت پائی۔ چنانچہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جتنے بھی بڑے بڑے علما گزرے، فقہاء گزرے، سب نے کسی نہ کسی کی صحبت پائی۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اسی لیے جتنے فقہا اور محدثین ہیں وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت کے شاگرد ہیں۔ لہٰذا حضرت کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے نقشبند یہ سلسلہ کے بزرگ ہیں ان کی صحبت پائی۔ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت پائی۔ یہ امام قاسم رحمۃ اللہ علیہ فقہائے سبعہ مدینہ میں سے تھے۔ یعنی مدینہ کے جو سات بڑے مفتی گزرے ہیں یہ ان میں سے ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا تقویٰ دیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نظر میں اس وقت دنیا میں کون سا انسان ایسا ہے جو خلافت کا مستحق ہو تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے تو

میں خلافت قاسم بن محمد کے سپرد کر دوں گا۔ اس درجہ کے بزرگ تھے اور انہوں نے فیض پایا حضرت سلمان فارسیؓ سے اور انہوں نے فیض پایا صدیق اکبرؓ سے۔ یہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلے کی لڑی میں سے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ دو سال مختلف موقعوں پر ملنا جلنا رہا مگر اس ملنے کا اثر کیا ہوا کہ امام صاحب نے اپنی مبارک زبان سے یہ فرمایا

لَوْلَا السَّنَتَانْ لَهَلَكَ النُّعْمَان

''اگر میری زندگی کے یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہی ہو جاتا''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کی صحبت میں جاتے تھے جن کا نام تھا ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کو کہتے تھے ابو ہاشم الصوفی یہ صوفی کا لفظ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقیہ فرماتے تھے۔ آج کہتے ہیں کہ ''جی ہم ہیں تو حنبلی لیکن تصوف کو نہیں مانتے'' اور یہ صوفی کا لفظ ان کے امام صاحب فرما رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے محدث بھی اور اتنے بڑے فقیہ بھی تو آپ نے ایسا جواب دیا جو ان کو ہی زیب دیتا تھا فرمایا کہ میں عالم بکتاب اللہ ہوں اور ابو ہاشم الصوفی عالم باللہ ہیں اور عالم باللہ کو عالم بکتاب اللہ پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے میں ان کی صحبت میں جاتا ہوں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے بیٹے! میں ریا کی دقیق باتوں سے کبھی بھی واقف نہ ہو سکتا اگر میں ابو ہاشم کی صحبت میں نہ بیٹھتا۔ یہ ریا کو پہچاننا اس کی تفصیلات سے آگاہ ہونا، یہ مشائخ کی خدمت میں بیٹھ کر ہی راز کھلتے ہیں۔ طبقات الکبری میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ

''بیٹے اخلاص کے جس مقام پر یہ مشائخ پہنچے ہم ابھی اس مقام پر نہیں پہنچ پائے۔''

حضرت ابن شریح رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ حضرت ابو العباس ابن شریح رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی اپنے وقت کے بڑے فقیہ تھے، قاضی تھے بلکہ قاضی القضاء تھے۔ انہوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت پائی۔ اور اس کے بعد وہ کہتے تھے کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی بات تو مجھے سمجھ میں نہیں آئی مگر ان کی باتیں اتنی پرشکوہ ہیں کہ یہ شان کسی باطل کلام کے اندر ہرگز نہیں ہو سکتی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ

اور آگے آجایئے ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب جامع کمالات بنایا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ دونوں ایک زمانے کے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے مجھے ایسا نور فراست دیا، نور باطن دیا کہ میں کشف کی نظر سے پورے جہان کو ایسے دیکھتا ہوں کہ جیسے عام بندہ ہتھیلی میں پڑے ہوئے گندم کے دانوں کو دیکھتا ہے۔ اور فرمایا کہ اس کشف کے حاصل ہونے کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جیسا کامل ولی اس وقت پوری دنیا میں کوئی نہیں۔

حضرت عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے حضرت عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں تیرہویں صدی کا مجدد فرمایا، اس کی اپنی تفصیلات ہیں۔ حضرت عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے مولانا خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت

سارے علماء نے فیض پایا۔ جن میں سے دو عالم بڑے نمایاں ہیں۔ ایک علامہ ابن عابدین جن کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بلکہ علامہ شامی نے اپنے شیخ کے اخلاق اور کمالات کے بارے میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی اور دوسرے ان کے خلیفہ تھے جن کا نام تھا۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے روح المعانی تفسیر لکھی۔ اب بتایئے ایسے بڑے بڑے محدثین ان حضرات کی صحبت میں آ کر نسبت احسان حاصل کرتے تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مرزا جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے مگر اللہ نے انہیں جامع کمالات بنایا تھا۔ یہ مفسر بھی تھے انہوں نے ایک تفسیر لکھی، اس کا نام اپنے شیخ کے نام پر تفسیر مظہری رکھا۔ معارِف القرآن پڑھیے اس میں تفسیر مظہری کا حوالہ ملے گا۔ یہ ام الکتب ہے کئی کتابوں میں اس کا حوالہ ملے گا۔ مفسر بھی تھے محدث بھی تھے۔ اپنے وقت کے قاضی بھی تھے وقت کے شیخ اور صوفی بھی تھے۔ چنانچہ ان کی ایک کتاب مالابد منہ ہے ترجمے میں پڑھائی جاتی ہے۔ حضرت اپنی کتاب تحفۃ الصالحین میں فرماتے ہیں کہ بے شمار لوگوں کی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے۔ اس لیے کہ اس جماعت کا ہر فرد تقویٰ سے آراستہ ہے تو جو متقی ہوتا ہے وہ جھوٹ تو نہیں بول سکتا۔ اور ہر فرد تقویٰ سے مزین ہے۔ اپنے قلم کی زبان سے اس بات کی خبر دی کہ مشائخ کی صحبت سے ہمارے باطن میں ایک چیز پیدا ہوئی جس نے ہمارے باطن کو بیدار کیا۔ امت کی تصدیق موجود ہے۔ امت کے بڑے بڑے اکابر نے اس کی تصدیق کی۔ ان کی صحبت میں بیٹھ کر ہمارے باطن کی غفلت دور ہوئی۔ عشق الٰہی ہمارے اندر بھر گیا اور عمل کا جذبہ ہمارے اندر آ گیا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

""نور باطن را از سینہ درویشاں باید جست""

کہ تم باطن کا نور درویشوں کے سینوں سے حاصل کرو یہ نسبت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتی ہے۔

سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ اور قریب دیکھیے سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے عالم اور متقی بزرگ اور شیخ الاسلام مولانا عبدالحیٰ جیسے بزرگ یہ دونوں حضرات سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ علم ظاہری پڑھنے کے لیے گئے تو ایک دن دیکھا کہ کتاب کے صفحے بالکل صاف ہیں۔ اپنے شیخ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ رب العزت اب تمہیں علوم باطن بھی عطا فرمائیں گے اور تم سے دین کا کام بھی لیں گے۔

اکابر علمائے دیوبند:

ماضی قریب میں دیکھنا چاہیں تو ہمارے اکابرین علمائے دیوبند میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبال علم جو کہ علم کے پہاڑ تھے ان شخصیتوں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض پایا۔ کسی نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آپ جیسا فقیہ انسان حاجی صاحب کی صحبت میں کیوں گیا؟ انہوں نے بڑا پیارا جواب دیا۔ فرمایا کہ ہم نے دارالعلوم میں پڑھائی کے دوران مٹھائیوں کے نام یاد کر لیے تھے۔ کون سی مٹھائیاں؟ جیسے توکل، تسلیم، رضا یہ جو باطن کے مقامات ہیں گویا مٹھائیوں کی مانند ہیں۔ ہم نے ان مٹھائیوں کے نام پڑھ لیے تھے مگر ذائقے سے ناآشنا تھے۔ ہم حاجی صاحب کے پاس ان مٹھائیوں کا ذائقہ چکھنے

گئے تھے۔

یہ نعمت ہے جو ان مشائخ کی صحبت سے ملتی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے بدکار قسم کے لوگ ان حضرات کی صحبت میں آکر بہت اونچے درجے کے نیکوکار بن جاتے ہیں۔ بابو میاں ان بزرگوں کی صحبت میں آکر ''تابو میاں'' بن جاتے ہیں۔ زندگی کے بدلنے کا پتہ نہیں چلتا کہ ایک لمحہ کی صحبت نے ان کی زندگی کو کیسے بدل کر رکھ دیا! اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم باطن کی یہ نعمت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اور اس کے لئے اپنے آپ کو کھپا دیں۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو میں فرض عین کہتا ہوں۔ یہ حضرت حکیم الامت کے الفاظ ہیں۔ ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں کہ آج کے زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو میں فرض عین کہتا ہوں۔

حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت سید فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے بہت مقام کے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا درس تفسیر بڑا معروف تھا۔ رمضان المبارک میں سینکڑوں علما جو اپنے اپنے مدارس میں تفسیر پڑھاتے تھے وہ ان کے ہاں تفسیر کا دورہ کرنے جاتے تھے۔ اللہ نے علما میں اتنا کام لیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنا دورہ حدیث محدث اعظم حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔ جب حضرت نے بخاری شریف پڑھا لی تو اس کے بعد طلباء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جتنی بار چاہو بخاری شریف ختم کر لو۔ جب تک اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی نہیں کرو گے تب تک تم روح علم سے محروم رہو گے۔

حضرت سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت

میں آئے اور بیعت ہو گئے۔ ان سے کسی نے پوچھا: آپ عربیت کے ایسے ماہر، زبان پر آپ کو اتنا عبور حاصل ہے۔ تو آپ نے کیوں کسی کی بیعت کر لی؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں جا کر اپنی جہالت کا اندازہ ہوا۔ وہ ایک نکتہ کی عجیب بات فرماتے تھے اور طلبا کے لئے واقعی علمی بات ہے! فرماتے تھے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب سے ایک دعا منگوائی کہ جن میں اہل اللہ کی محبت کو اعمال پر مقدم کر دیا۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ عَلٰی حُبِّكَ

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور جو آپ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور جو اعمال آپ کی محبت کو بڑھاتے ہیں میں ان کا بھی سوال کرتا ہوں''

فرماتے ہیں: اہل اللہ کی محبت پہلے، اعمال کی محبت کی دعا بعد میں۔ فرماتے تھے کہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحبت اور محبتِ اولیاء سے انسان کو نیک اعمال کی توفیق ملا کرتی ہے۔ اس لیے انہوں نے شعر کہا ہے: ؎

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے اکابر علما دیوبند میں جتنا کثرت سے ذکر کرنے والے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ (بانی تبلیغی جماعت) تھے اتنا کثرت سے ذکر کرنے والا اکابر میں کوئی نہیں تھا، اس ذکر کی کثرت کی وجہ سے دعوت کا کام ان پر کھولا گیا۔ اور آج دیکھیے

کہ دنیا کے سو سے زیادہ مما لک میں اللہ رب العزت اس محنت کے ذریعے سے لوگوں کے ایمان کی حفاظت فرما رہا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ تمام علما و اکابرین امت اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔

اہل اللہ کی صحبت کیوں ضروری ہے؟

اکثر یہ دیکھا گیا کہ بندہ عمل تو کر لیتا ہے لیکن اخلاص سے خالی ہوتا ہے۔ لیکن بے روح عمل کا نہ بندے کے دل پر اثر ہوتا ہے اور نہ اللہ کے ہاں شرف قبولیت پاتا ہے۔ اس لیے اخلاص ضروری ہے اور یہ اخلاص اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہی کا فرمان:

حضرت گنگوہی فرماتے تھے کہ

اہل اللہ کی صحبت کے بغیر اخلاص کا مل جانا یہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

حضرت مولانا روم کا فرمان

مولانا روم فرماتے ہیں: ؎

بے عنایت حق و خاصان حق
گر ملک باشد سیاہ ہست تش ورق

حق تعالیٰ اور خاصان حق کی عنایت کے بغیر اگر فرشتے بھی بن جاؤ گے تو تمہارا نامہ اعمال سیاہ رہے گا اسی لیے فرماتے تھے کہ

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مولانا رومی کا مشہور واقعہ ہے کہ بیٹھے بچوں کو پڑھا رہے تھے۔ وضو کے لیے تالاب بھی قریب ہی تھا تو اس وقت حضرت شمس تبریزی آئے انہوں نے آ کے پوچھا مولانا روم سے کہ ''ایں چیست'' یہ کیا ہے انہوں نے فرمایا ''ایں قال است'' یہ قال ہے۔ تو حضرت نے کتاب مانگی اور لے کر پانی میں ڈال دی۔ اب اس زمانے میں فوٹو کاپیاں تو ہوتی نہیں تھیں مخطوطہ ہوتے تھے جو دوات اور سیاہی سے لکھے جاتے تھے۔ اور کتاب کو پانی سے بچانا بڑا ضروری ہوتا تھا۔ کتاب پانی میں ہی ڈال دی۔ مولانا روم بڑے گھبرائے کہ کتاب ہی گئی۔ جب ان کو گھبراہٹ میں دیکھا تو انہوں نے ہاتھ ڈالا اور کتاب نکالی اور اس کو ہاتھ سے جھاڑا تو اس میں سے دھول نکلنے لگی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ حیران ہو گئے اور فرمایا: ''ایں چیست'' یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ''ایں حال است'' یہ حال ہے۔ تو یہ وہ نعمت ہے جو ان اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر نصیب ہو جاتی ہے کہ صاحب قال بالآخر صاحب حال بن جاتا ہے۔

مولانا عبدالحق دہلوی کا فرمان:

مولانا عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب پڑھنے کے لیے گیا تو میرے والد صاحب نے مجھے پیچھے سے خط لکھا اور فرمایا کہ بیٹے:

ملائے خشک و ناہموار نہ باشی

یعنی خشک ملا اور ناہموار نہ بننا۔ کئی خشک ہوتے ہیں! وہ قال ہی کی باتیں کرتے ہیں حال کی انہیں کوئی خبر نہیں ہوتی۔ عشق الٰہی کا ان میں فقدان ہوتا ہے۔

مفتی زین العابدین کا فرمان:

مفتی زین العابدین ایک بزرگ عالم گزرے ہیں۔ دعوت و تبلیغ میں بھی اللہ نے ان کو اونچا مقام دیا، ایک مرتبہ ان کا بیان تھا اور اس بیان میں ایک بات انہوں نے ارشاد فرمائی جو اس عاجز نے خود سنی اور آج ممبر پر بیٹھ کر اسی طرح نقل کر رہا ہوں کہ

انہوں نے بیان میں یہ فرمایا:

جب تک تم کسی سے سیکھ کر ذکر نہیں کرو گے، تبلیغ میں جوتیاں چٹخانے کے سوا تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ یہ بات انہوں نے بھرے مجمع میں کہی۔

حضرت مرشد عالم کا فرمان:

چنانچہ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اولاد کون دیتا ہے؟ تو سب کہتے ہیں اللہ...... حضرت فرماتے ماں باپ ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر فرماتے کہ بارش کون برساتا ہے؟ تو سب کہتے اللہ...... تو حضرت فرماتے کہ بادل ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر فرماتے کہ دلوں کو نور کون عطا کرتا ہے؟ تو سب جواب دیتے اللہ۔ مگر شیخ استاد اس نور کے آنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اہل اللہ کی صحبت کی ضرورت اور اہمیت میں کون سی ایسی بات ہے جو سمجھ میں نہ آئے؟

نظر کی تاثیر:

آج کل شعاعوں سے علاج ہوتا ہے۔ ٹی بی کا علاج، کینسر کا علاج شعاعوں کے ذریعہ سے کیا جا رہا ہے۔ جس طرح مشین سے نکلنے والی شعاعیں ہیں اسی طرح اللہ والوں کی نگاہوں سے بھی نور کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ میں اور آپ ایکسرے کو تو نہیں دیکھتے لیکن حقیقت کو ماننا پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کی نگاہوں سے بھی نور کی کچھ شعاعیں نکلتی ہیں جو انسان کے دل کی ظلمتوں کو مٹا کے رکھ دیتی ہیں اور اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ بندے کے اندر نیکی آنی شروع ہو جاتی ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ایک ہے نظر بد، بری نظر لگ جانا۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا: ''العین حق'' کہ نظر لگ جاتی ہے۔ جس سے دوسرا بندہ بیمار ہو جاتا ہے۔ بچوں کو بھی بہت نظر لگتی ہے کیونکہ بچے تو بہت ہی پیارے ہوتے ہیں۔ اور

ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ان کو ماں باپ کی نظر زیادہ لگتی ہے۔ بہر حال نظر لگ جاتی ہے۔ نظر کی اتار کی جو دعا تھی نبی ﷺ نے وہ بھی بتائی۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اور انہوں نے کہا کہ جعفر کی اولاد کو نظر لگ جاتی ہے میں کیا کروں؟ کیا دم کر لیا کروں؟ تو نبی ﷺ نے بتایا

تو معلوم ہوا کہ یا تو بری نظر دوسروں پر اپنا اثر ڈالتی ہے یا بہت محبت بھری نظر دوسرے پر اپنا اثر ڈال دیتی ہے۔ اب دیکھیے کہ جس نظر کے اندر حسد ہے، عداوت ہے، بغض ہے، کینہ ہے اگر وہ نظر دوسرے پر اثر ڈال سکتی ہے تو اہل اللہ کی نظر جس میں الفت ہے، محبت ہے، اخلاص ہے، اللہ کی رضا ہے تو یہ نظر دوسرے پر اپنا اثر کیوں نہیں ڈال سکتی؟ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

وضد العین ونظر العارفین فانه من حیث تاثیر فی العکسی

یہ جو بری نظر لگ جاتی ہے اس کی ضد عارفین کی نظر ہے، اس لیے کہ یہ عارفین کی نظر بڑی موثر ہوتی ہے۔ یہ کافر کو مومن بنا دیتی ہے، فاسق بندے کو نیک بنا دیتی ہے اور جاہل کو عالم بنا دیتی ہے۔ بلکہ کتے کو انسان بنا دیتی ہے: ؎

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اصحابِ کہف کے کتے کی مثال:

دیکھیں! جنت میں انسان ہی جائیں گے مگر ایک ایسی بھی مثال ہے کہ ایک جانور، کتا اللہ والوں کے ساتھ لگ گیا، انہوں نے بھی کہہ دیا کہ جاؤ جان چھوڑو ہماری، مگر وہ پیچھے پیچھے، پیچھے پیچھے ساتھ ساتھ رہا۔ اللہ اکبر! اس کتے کی محبت اللہ کو پسند آئی قرآن میں تذکرہ فرمایا:

﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ (کہف: ۱۸)

اس کا تذکرہ فرما دیا۔ کسی پنجابی شاعر نے اس پر اشعار کہے کہ جب کتے کو کہا کہ تم چلے جاؤ۔ تو اس نے آگے سے زبانِ حال سے جواب دیا:

نہ میں بھونکاں تے نہ میں ٹونکاں تے نہ میں شور مچاواں

تے نیکاں دے لڑ لگیاں سائیاں، میں جنت وچ وڑ جاواں

کتا کہتا ہے کہ نیکوں کے ساتھ لگا ہوں کیا پتہ میں بھی جنت میں چلا جاؤں۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو یہ خوشخبری دی کہ نیکوں کی صحبت کی وجہ سے قیامت کے دن انسانی شکل میں لا کر میں تمہیں جنت عطا کروں گا: ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند

پئے نیکاں گرفت و مردم شد

''اصحاب کہف کے کتے نے چند دن نیکوں کی پیروی کی اور آدمی کے حکم میں ہو گیا''

اگر نظر کتے کو انسان بنا سکتی ہے تو پھر انسان کو اچھا انسان کیوں نہیں بنا سکتی؟ مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ

وَهٰذَا لِاَنَّهُمْ مَنْظُوْرُوْنَ بِنَظْرِ الْجَمَالِ

''اس لئے یہ لوگ اللہ کی جمال کی نظر کی وجہ سے بڑے منظور ہوا کرتے ہیں''

انعام یافتہ لوگ:

ہم اپنی نمازوں میں سورۃ فاتحہ میں یہ دعا مانگتے ہیں

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○

''دکھا ہمیں سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا''

یعنی فقط سیدھے راستے کی دعا نہیں کی بلکہ اللہ کے مقبول بندوں کی نسبت سے

دعا مانگی کہ ان کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا۔ آگے پھر ایک اور آیت میں یہ بھی بیان کر دیا کہ انعام یافتہ بندے کون ہیں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء: ۶۹)

''اور جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے''

تو یہ صحبت عجیب چیز ہے۔ چنانچہ اتباع کی برکت دیکھیے کہ نبی ﷺ کی اتباع جنہوں نے کی، ان میں صدیقین تھے، شہداء تھے، صالحین تھے۔ ''اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ'' یہ وہ جماعت ہے جن پر اللہ کے انعامات ہوئے۔ تو یہاں پر تفسیر میں ایک عجیب نقطہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اتباع کی برکت دیکھو کہ انبیاء معصوم ہیں مگر اللہ نے اتباع کی برکت کی وجہ سے ان کو واوَ عاطفہ کے ساتھ جوڑ دیا۔ صدیقین، شہداء اور صالحین کے درمیان 'واوَ' جو ہے وہ واوَ عاطفہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ اتباع کی برکت نے غیر معصومین کو واوَ عاطفہ کے ساتھ معصومین کے ساتھ اکٹھا کر دیا۔ تو اگر ایک آیت میں اللہ یوں اکٹھا کر دیتے ہیں تو کیا آخرت میں اکٹھا نہیں فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا فرما کر ان حضرات کی رفاقت کی اہمیت واضح فرما دی۔ دنیا میں ان کو رفیق بنائیں گے تو آخرت میں بھی ان کی رفاقت نصیب

ہوگی۔

صحبت اہل اللہ کا عقلی اور سائنسی ثبوت:

آج کی دنیا سائنسی یا عقلی باتیں زیادہ سمجھتی ہے اس لیے آپ کو صحبت کی تاثیر والی بات ذرا عقلی مثال سے سمجھاتے ہیں۔

مثال ا:

ایک آم ہوتا ہے جس کو کہتے ہیں ''لنگڑا''۔ یہ لنگڑا مگر ساری دنیا کا سفر کرتا ہے۔ٹانگوں والوں سے اچھا ہے۔ہم نے دیکھا کینیڈا میں آم جا رہا ہے۔کون سا جی؟''لنگڑا''۔ہم نے کہا دیکھو! لنگڑا ادھر بھی پہنچ گیا۔کیا لنگڑا ہے! ہے تو لنگڑا مگر کینیڈا پہنچ گیا کیونکہ ذائقے اور خوشبو کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔

آم کو لوگ کیا کرتے ہیں؟ دیسی آم اگاتے ہیں اور اس کی ایک شاخ کے اوپر اس لنگڑے آم کی Graphiting (پیوند کاری) کرتے ہیں۔کیونکہ دیسی آم کے اندر اتنا رس بھی نہیں ہوتا، لذیذ بھی نہیں ہوتا، خوشبودار بھی نہیں ہوتا اور پھل بھی تھوڑا آتا ہے تو Quality اور Quantity (معیار اور مقدار) دونوں زیادہ نہیں ہوتی۔لیکن جب لنگڑے آم کے ساتھ اس کا پیوند کر دیا جاتا ہے، اس کو جوڑ دیا جاتا ہے۔یہ پیوند کاری کا عمل ایسا ہے کہ وہ شاخ بڑھنے لگ جاتی ہے اور اس شاخ پر پھر جو آم لگتا ہے تعداد میں بھی زیادہ اور رس میں بھی زیادہ ہوتا ہے اور اس کے اندر خوشبو بھی زیادہ ہوتی ہے۔یہی مثال ہے کہ جو بندہ اللہ والوں کی صحبت میں آئے اور اپنے دل کی ان کے دل کے ساتھ پیوند کاری کر لے یہ دیسی ہوگا اور اللہ والے: وہ ماشاءاللہ اعلیٰ قسم کے آم کی مانند ہوتے ہیں۔ان کی صحبت کی برکت کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو بھی صاف کر دیتے ہیں۔اس کی کوالٹی کو بھی بہتر فرما دیتے ہیں۔

مثال ۲:

ایک اور مثال سمجھیں۔ ایک درخت کا پھل ہوتا ہے جس کو کہتے ہیں ’’آملہ‘‘۔ یہ جو حکیم لوگ ہیں ان کے استعمال میں بہت کثرت سے رہتا ہے۔ یہ آملہ مختلف بیماریوں کیلیے استعمال ہوتا ہے۔ تو مشائخ نے فرمایا کہ آملے کے دو دانے تھے، گرے پڑے تھے، کسی نے کہا کہ بھئی میں آپ کو اٹھاتا ہوں اور آپ کے جسم میں سوئیاں چبھوؤں گا، آپ کو آگ پہ چڑھاؤں گا۔ آپ کو یہ ساری تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔ لیکن جب یہ تکلیف برداشت کرلیں گے تو آپ کی قیمت بڑھ جائے گی۔ چنانچہ ان میں سے ایک آملے نے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ جس حکیم نے اسے اٹھایا اس نے پہلے اس کے سوئیاں چبھو کر اسکے اندر جو کڑوا پانی تھا وہ نکال دیا۔ اور اس کے بعد اس نے پانی گرم کیا اور اسکو ڈال کر ابالا۔ اتنا جوش دیا، اتنا جوش دیا کہ آملہ بالکل نرم ہوگیا، اس کی جو سختی تھی وہ نرمی میں بدل گئی۔ اب جب نرم ہوگیا تو اس نے اس کے اوپر سونے کا ورق چڑھایا، چاندی کا ورق چڑھایا اور اس کو اس نے چینی کے بنے ہوئے شیرے کے اندر رکھا، اس کو کہتے ہیں آملہ کا مربہ۔ یہ آملہ کا مربہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل کی تقویت کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ حکیم لوگ جو پہلے زمانے میں دل کی کمزوری کا علاج کرتے تھے، اور بڑے دماغی کام کرنے والوں کو کہتے تھے کہ جی آملہ کا مربہ استعمال کریں۔ تو یہ سونے اور چاندی کے ورق میں لپیٹ کر بادشاہوں کو پیش کیا جاتا تھا۔ اور ایک ایک دانہ کئی کئی روپے مہنگا بکا کرتا تھا۔ فرمایا کہ جس نے مجاہدے کے لیے پیش کر دیا اس کی شان تو بڑھی کہ بادشاہوں کے ہاتھوں میں ورق لگ کر پہنچا اور ان کی غذا بنا۔

آملہ کا دوسرا دانہ، اس نے کہا کہ بھئی مجھ سے مجاہدے برداشت نہیں ہوتے، میں تو ادھر پڑا ہوں۔ لہٰذا وہ وہیں پڑا رہا۔ اب اس کے اوپر سورج کی دھوپ پڑی

، ہوا کا اثر ہوا، بارش کا اثر ہوا لہٰذا کچھ دنوں میں وہ جو اس پر تازگی تھی وہ خشکی میں بدل گئی۔ جو حسن ظاہر تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔ سیاہی مائل بن گیا، دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ اب صفائی کرنے والا خاکروب آیا اور اس نے آکر جھاڑو کے ساتھ اس کو بھی اکٹھا کیا۔ اور سیاہ شکل کے جو آملے تھے ان کی بوری بھری اور بوری بھر کے اس نے کسی حکیم کو پہنچائی۔ حکیم نے اسے معمولی سی قیمت دے دی۔ اب حکیم نے سوچا کہ میں اسے کیا کروں۔ اس حکیم نے اس آملے کو پیس لیا۔ اب اس کو پسنا پڑا۔ جب پس کے یہ بالکل سفوف بن گیا تو اس نے پڑیاں بنا دیں۔ کس لیے؟ قبض کے علاج کے لیے۔ اب یہ آملہ ایک انسان کو دیا جاتا ہے قبض توڑنے کے لیے، سوچو: اللہ نے اس کے ذمہ پاخانہ دھکیلنے کا کام لگا دیا۔ تم بندے کے پیٹ میں جاؤ اور پاخانے کو دھکیلو، تو جس نے مجاہدے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا ورق لگ کے بادشاہوں کے ہاتھ میں پہنچا اور جس نے پیش نہ کیا قیمت بھی کم لگی اور کام بھی یہ ذمہ لگا کہ وہ پاخانہ دھکیلتا ہے۔

فرماتے ہیں دو انسان ہیں۔ ایک اپنے آپ کو مشائخ کے حوالے کر دیتا ہے، وہ محنت کر کے اس کے دل میں اللہ کی محبت کا بیج ڈال دیتے ہیں۔ اللہ کی محبت جگا دیتے ہیں۔ یہ وہ ہوتا ہے کہ اس کے جوتوں کو وقت کے بادشاہ اپنے سروں کا تاج بنا لیتے ہیں۔ اور ایک دوسرا ہوتا ہے جو ان مشائخ کی صحبت میں نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ جیسے یہ پاخانہ کو دھکیلتا پھرتا ہے یہ بندہ دنیا کی نجاست کو دھکیلتا پھرتا ہے۔ اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ ہم اللہ والوں کی صحبت میں آئیں تو ہمیں یقیناً اللہ رب العزت کی طرف سے رحمتیں ملیں گی۔

صحبتِ اہل اللہ سے زندگی میں انقلاب:

حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ یہ انگریزی تعلیم یافتہ تھے، اپنے وقت کے بڑے اعلیٰ افسر تھے۔ تو ان سے کسی نے پوچھا کہ مجذوب صاحب آپ تو مسٹر تھے۔ آپ کی

ٹر کیسے مس ہوگئی؟ تو پھر انہوں نے بتایا کہ میں حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آیا۔ شیخ کی ایک لحہ کی اس صحبت نے مجھے غفلت سے نکال کر اولیاء اللہ کی صف میں کھڑا کر دیا یوں اللہ کی محبت نے تڑپا کر رکھ دیا۔ فرماتے ہیں:

نقش بتاں مٹایا ، دکھایا جمالِ حق
آنکھوں کو میری آنکھیں ، دل کو دل بنایا
آہن کو سوز دل سے کیا نرم آپ نے
نا آشنائے درد کو بسمل بنا دیا

اہل اللہ کی صحبت مفید ہونے کی وجوہات:

اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے سے کیوں فائدہ ہوتا ہے؟ اس کی چار بنیادی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ:

ایک وجہ یہ ہے کہ جس طرف ان کے دل متوجہ ہوتے ہیں اللہ کی رحمتیں اور اللہ کا فضل بھی اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایک بزرگ سے کسی خادم نے پوچھا کہ حضرت! یہ جو کہا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر فیض ملتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ پہلے زمانے میں ہاتھ کے پنکھے ہوتے تھے جو چھت پہ لٹکے ہوتے تھے اور رسی سے اس کو کھینچتے تھے۔ ہم نے اپنے بچپن میں وہ زمانہ دیکھا، جب بڑے بزرگ کھانا کھاتے تھے تو ہم رسی کھینچ کر وہ پنکھا چلاتے تھے۔ اور وہ پنکھا اتنا بڑا ہوتا تھا کہ کمرے کے سب لوگوں کو ہوا ملتی تھی۔ یہ سوال پوچھنے والا خادم بھی وہی پنکھا چلا رہا تھا۔ کہنے لگا کہ جی اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر کیسے دوسرے کو فیض ملا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ بتاؤ کہ پنکھا کس کے لیے چلا رہے ہو؟ حضرت آپ کے لیے۔ ساتھ والوں سے پوچھا

کہ ہوا آپ کو بھی لگ رہی ہے؟ کہنے لگے کہ لگ رہی ہے۔ فرمایا کہ بالکل اسی طرح اللہ رحمتیں تو اپنے مقبول بندوں پر فرماتے ہیں ان کے پاس بیٹھنے والے بھی اس رحمت کی ہوا سے محروم نہیں رہتے۔

دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کے ملفوظات سن کر انسان کو نفس کے رذائل کا پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ نفس کی خباثتوں کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ اب جیسے کوئی ہم سے سوال پوچھے کہ وسوسہ تو شیطان کی طرف سے بھی آتا ہے اور وسوسہ انسان کو نفس کی طرف سے بھی آتا ہے۔ سالک کو کیسے پتہ چلے کہ یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہے یا نفس کی طرف سے؟ تو کوئی بھی عام طالب علم اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس کا جواب کون دے گا؟ وہ جسے اللہ نے نور فراست عطا کیا ہوگا۔ وہ سمجھائے گا کہ دونوں قسم کے وسوسے میں پہچان کیسے کی جاسکتی ہے؟

تیسری وجہ:

اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر جب انسان ان کو اپنے حالات سناتا ہے، بتاتا ہے تو ان کی مقبول دعاؤں کے اوقات میں یہ بندہ ان کو یاد آجاتا ہے تو ان کی دعاؤں میں حصہ پڑجاتا ہے۔

چوتھی وجہ:

انسانی طبیعت میں نقل صفات کا خاصہ ہے، لہٰذا ان کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فیہ استحباب دعا عند حضور الصالحین فان عند ذکرھم تنزل رحم فضل عند وجودھم وظھورھم فضل عند وجودھم

وظهورهم

''کہ نیکوں کی محفل میں بیٹھ کر دعا مانگنا،اس میں اس کا استحباب یہ ہے کہ اگر نیکوں کے تذکرے سے رحمت اترتی ہے تو جہاں وہ خود موجود ہوں اور جہاں ان کی خود حاضری ہو تو وہاں پر اللہ تعالیٰ کتنی رحمتیں نازل فرمائیں گے''

وہ جن کے تذکرے پر اللہ تعالیٰ اتنی رحمتیں نازل فرمادیتا ہے تو پھر اللہ رب العزت ان کے موجود ہونے پر کتنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔

کسی ایک شیخ سے بیعت کی کیا ضرورت؟

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جی اچھا: ہم نیکوں کی صحبت میں تو آئیں مگر کسی ایک شیخ سے بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ ہم جہاں چاہیں گے جائیں گے۔ دراصل یہ نفس جو ہے یہ دنیا کا سب سے پہلا غیر مقلد ہے، یہ نہیں چاہتا کہ کسی کے پیچھے چلے، یہ کہتا ہے کہ کسی ایک کی ماننے کی کیا ضرورت؟ بس میں جہاں چاہوں جاؤں۔ مگر یہ تو ایسے ہی ہوا کہ مریض کہے کہ کسی ایک ڈاکٹر سے دوائی لینے کی کیا ضرورت ہے؟ صبح کسی سے لوں گا، دوپہر کسی سے، شام کسی سے تو کیا اس کا علاج ہو جائے گا؟ اسی لیے لوگ تو خاندانی ڈاکٹر رکھتے ہیں کہ یہ ہماری ہسٹری جانتا ہے، اس کو ہماری طبیعت کا زیادہ پتہ ہے۔ یہ ہماری طبیعت کے موافق ہمیں دوا دے گا۔ بالکل اسی طرح ایک شیخ کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ بندے کی طبیعت سے واقف ہو جاتا ہے۔لہٰذا وہ اس بندے کی طبیعت کے مطابق اس کو علاج بتا دیتا ہے

ویسے بھی اللہ تعالیٰ ایک اور اس کے بندے کئی ...... رسول ہمارے ایک اور امتی کئی ...... امام ہمارے ایک اور ان کے مقلد کئی ...... باپ ایک اور اس کے بیٹے کئی ...... میاں ایک اور اس کی بیویاں کئی ...... معالج ایک اور اس کے مریض کئی۔ اور

پیر ایک اور اس کے مرید کئی۔ اور اگر بیوی ایک اور اس کے خاوند زیادہ...... بندہ ایک اس کے خدا زیادہ...... اسی طرح مرید ایک اور اس کے پیر زیادہ ہوں تو پھر اس کی کیا اصلاح ہوگی؟ اسی لیے ''یک گیر محکم بگیر'' ایک کو پکڑ لو مضبوطی سے پکڑ لو۔ پھر دیکھو اللہ رب العزت کی طرف سے کیسی رحمتیں ہوتی ہیں۔

وصول الی اللہ کا نسخہ:

چنانچہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وصول الی اللہ کا ایک نسخہ بتایا ہے اور عجیب بات لکھی ہے۔ پڑھ کے حیرانی ہوئی۔ کسی شخص کو فرمایا کہ ایک نسخہ میں لکھ رہا ہوں اس کو اپناؤ۔

پہلی بات کہ اعمال میں ہمت کر کے ظاہراً باطناً شریعت کے پابند بنو۔

دوسری بات کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔

تیسری بات کہ شیخ کی صحبت اختیار کرو۔

اور جب ان سے دور ہو تو ان کی کتابوں سے، مواعظ سے اور ملفوظات سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگر تم یہ چار کام کر لو گے تو میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ آپ لوگ باخدا بن جاؤ گے۔ یہ حضرت فرماتے ہیں کہ تم چار کام کر لو، چار کام کرنے کے بعد میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ آپ لوگ باخدا بن جاؤ گے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

''چنگے سنگ ترے''

چنانچہ ایک بزرگ جا رہے تھے تو راستے میں ایک آدمی سنگترے بیچ رہا تھا اور وہ آواز لگا رہا تھا کہ ''چنگے سنگترے'' یہ پنجابی کا لفظ ہے ''چنگے سنگترے'' تو اس کا مطلب ہے ''اچھے سنگترے'' تو جیسے بیچنے والے آوازیں لگاتے ہیں وہ بھی آواز لگا رہا تھا۔ ''چنگے سنگترے...... چنگے سنگترے......'' ان بزرگوں نے جب سنا تو ان کے اوپر

حال پڑ گیا، جذب میں اللہ، اللہ کہنے لگے، عجیب کیفیت بنی۔ جب طبیعت سنبھلی لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ فرمایا، سنا نہیں وہ کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت وہ تو سنگترے بیچنے والا سنگترے بیچنے کے لیے اپنی آواز لگا رہا ہے۔ فرمایا: نہیں، نہیں۔ دیکھو! وہ کہہ رہا ہے "چنگے سنگ ترے" جو نیکوں کے سنگ لگ جاتے ہیں وہ تر جاتے ہیں۔ اس کی کشتی کنارے لگ جایا کرتی ہے۔

نیکاں دے لڑ لگیاں میری جھولی وچ پھل پئے
تے بریاں دے لڑ لگیاں میرے اگلے وی ڈل گئے

اچھی صحبت میں جانے کا یہ بھی فائدہ ہے کہ کسی نے اس طرح فرمایا ہے: ؎

جہاں عطر کھچتا ہے جاؤ وہاں گر
تو آؤ گے اک روز کپڑے بسا کر

وہاں جاؤ گے تو اپنے کپڑوں پر بھی خوشبو لگ جائے گی۔

جہاں آگ جلتی ہے جاؤ وہاں گر
تو آؤ گے اک روز کپڑے جلا کر

آگ کے پاس جا کر بیٹھو گے تو ایک دن کپڑے جلا کر آؤ گے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ جی آگ جل رہی تھی اور میں وہاں جا کر بیٹھا رہا تو میرے کپڑے تو نہیں جلے۔ تو شاعر نے اس کا بھی جواب دیا۔ کہا: ؎

یہ مانا کہ کپڑے بچاتے رہے تم
مگر آگ کی سینک کھاتے رہے تم

تم نے کپڑے تو بچا لیے مگر آگ کی گرمی تو پہنچی۔ اسی طرح بدکاروں کے پاس بیٹھو گے تو معصیت کی ظلمت پہنچے گی۔ نبی ﷺ نے بہت اچھے انداز میں بات سمجھا دی۔ نیک دوست کی مثال عطار کی مانند ہے، اس سے دوستی لگاؤ! کبھی نہ کبھی عطر دے

ہی دے گا۔ نہ بھی دے تو جتنی دیر بیٹھو گے اتنی دیر خوشبو تو آئے گی۔ اور برے دوست کی مثال، جیسے لوہے کی آگ کی بھٹی ہوتی ہے۔ وہ دے دے گا تو کوئلے ہی دے گا۔ اور نہ بھی دیا تو اس کوئلے کی کالک اور سیاہی تو ضرور ملے گی۔

صحبتِ اہل اللہ کی عقلی دلیل:

علماء کہتے ہیں کہ ٹرین کے ڈبے ہوتے ہیں۔ ایک فرسٹ کلاس کا ڈبہ اور ایک تھرڈ کلاس کا ڈبہ۔ ایک فرسٹ کلاس کے ڈبے نے تھرڈ کلاس کے ڈبے کو کہا کہ تو کیا ہے؟ نری مصیبت ہے، زنگ لگا ہوا ہے، چلتے ہوئے چوں چوں، کھٹ کھٹ کرتا رہتا ہے اور نہ تیری سیٹیں اچھی، نہ تیرے اندر ٹھنڈک کا انتظام، نہ کوئی اور ایسا آرام۔ میرا مقام دیکھو فوم کے گدے لگے ہیں، ائیر کنڈیشن چل رہا ہے، میں کتنا آرام دہ ڈبہ بنا ہوا ہوں! تھرڈ کلاس کے ڈبے نے کہا کہ جناب میں آپ کی بڑی شان کو مانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں۔ مگر ایک بات بتاؤں کہ میری کنڈی آپ کی کنڈی میں پھنسی ہوئی ہے، لہٰذا آپ جس منزل پر جائیں گے میں تھرڈ کلاس کا ڈبہ بھی اسی منزل پر جاؤں گا۔ یہی اللہ والوں کا معاملہ ہے۔ یہ فرسٹ کلاس والے ڈبے ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا والے اسٹیشن کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ جو اپنے دل کی کنڈی ان کے دل کے ساتھ پھنسا لیتا ہے اللہ اس کو بھی اپنے رضا والے سٹیشن پر پہنچا دیتا ہے۔

حکایت:

اس بات کو سمجھنے کیلیے ایک حکایت بیان کی جاتی ہے۔ ایک چیونٹی کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں کسی طرح خانہ کعبہ پہنچوں اور بیت اللہ کی زیارت کروں۔ لیکن وہ تو وہاں سے کوسوں دور تھی۔ وہ روزانہ سوچتی رہ جاتی کہ میں چھوٹی سی مخلوق ہوں، بھلا وہاں کیسے پہنچ سکتی ہوں؟ ایک دفعہ جہاں وہ رہتی تھی کبوتروں کا ایک غول

آ گیا اور کھیتوں سے دانہ وغیرہ چگنے لگا۔ چیونٹی نے کیا کیا کہ ایک کبوتر کے پنجے سے چمٹ گئی جیسے ہی کبوتر نے اڑان بھری وہ بھی اس کے ساتھ ہی اڑ گئی۔ آخر کار کبوتر خانہ کعبہ پہنچ گئے تو وہ بھی خانہ کعبہ پہنچ گئی اور اپنی مراد کو پالیا۔

اب دیکھیں! کہ تھی تو وہ چیونٹی ہی، کبوتر تو نہیں بن گئی لیکن کبوتر کے ساتھ لگنے کی وجہ سے جہاں کبوتر پہنچے وہاں وہ بھی پہنچ گئی۔ یہی حال اولیاء اللہ کی صحبت کا ہے کہ ان کے ساتھ لگنے کی وجہ سے کم مرتبہ شخص بھی کسی مرتبے کو پالیتا ہے۔

قرآن مجید سے دلیل:

اب آپ پوچھیں گے کہ اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ قرآن مجید سے بھی دلیل اور حدیث پاک سے بھی دلیل۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے! اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی۔ ایمان میں ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچادیں گے''

جن اولادوں نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی یعنی ان کے مطابق چلنے کی کوشش کی، ہم ان کی اولادوں کو ان کے بڑوں کے ساتھ اکٹھا فرمادیں گے۔ اب مفسرین نے لکھا کہ اولاد ہوتی ہے دو طرح کی۔ ایک جسمانی اولاد اور ایک روحانی اولاد۔ تو یہ آیت جسمانی اولاد کے لیے بھی ہے کہ اگر اللہ والوں کی اولاد میں سے کوئی ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے مگر اس بلندی تک نہ پہنچے جہاں اکابر پہنچے تھے، اپنی ہمت اور کوشش کرتا رہے۔ اس نسبت کی وجہ سے، اس برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس چھوٹے کو بھی اپنے بڑوں کے ساتھ اکٹھا کردیں گے۔

اور فرمایا کہ اس میں روحانی اولاد بھی شامل ہے۔ لہٰذا اگر کسی سے روحانی تعلق

ہے، بندہ اتنا متقی نہ بن سکا، اتنا بلند پرواز نہ بن سکا لیکن کسی شہباز کیساتھ محبت کا تعلق جوڑ لیا، دل کی کنڈی پھنسالی تو اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ قیامت کے دن ہم اس روحانی اولاد کو ان کے روحانی والدین کے ساتھ اکٹھا فرما دیں گے۔

حدیث شریف سے دلیل:

نبی ﷺ نے سادہ لفظوں میں بات سمجھا دی۔ ارشاد فرمایا:

((المرء مع من احب))

''بندہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت ہوگی۔''

اب ذرا سوچیے کہ اس عاجز کو اپنے شیخ کے ساتھ محبت ہے، میرے شیخ کو اپنے کے شیخ کے ساتھ محبت ہے تو وہ اپنے شیخ کے ساتھ ہونگے۔ ان کو اوپر والے شیخ کے ساتھ محبت۔ یہ سلسلہ چلتے چلتے صدیق اکبر تک پہنچا تو یہ سارے کے سارے کہاں جا کر اکٹھے ہوئے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کن سے محبت؟ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تو پھر آخر پر جا کر صحبت کس کے ساتھ نصیب ہوئی؟ کن کے قدموں میں جگہ ملی؟ معلوم یہ ہوا کہ اللہ والوں سے یہ محبت کا رشتہ جوڑیں گے اس کے صدقے اللہ قیامت کے دن اپنے محبوب کے قدموں میں جگہ عطا فرما دیں گے۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے، بہت بڑی بات ہے۔ اس پر تو انسان اپنی زندگی لگا دے۔ یہ سودا کر لے سستا ہے۔ اس لیے کہ یہ محبت دین کے لئے ہے۔

اور ویسے بھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ جن لوگوں کے درمیان اللہ کے لیے محبت ہوگی۔ فرمایا: ''هم المتحابون في الله'' قیامت کے دن جن سات آدمیوں کو عرش کا سایہ نصیب ہوگا ان میں سے وہ بندے بھی ہیں جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے۔ اور یہ سلوک اور طریقت کا تعلق یہی اللہ کے لیے محبت ہے۔ تو پھر اس محبت کی کتنی قدر کرنی چاہیے۔ اس کی کتنی لاج رکھنی چاہیے! اس

کو مضبوطی سے اضبط کرنا چاہیے تاکہ اللہ رب العزت اسی محبت پر ہمیں زندہ رکھے اور اسی محبت پر ہمیں دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ پھر قیامت کے دن اس کے نظارے آپ دیکھیں گے۔

مشائخ کی صحبت کا بنیادی اصول...... عاجزی:

بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر انسان اکڑے نہیں، فخر نہ کرے، اپنے آپ کو کچھ سمجھنے نہ لگ جائے۔ شیطان اس راستے سے بھی تو بندے کو بھٹکا دیتا ہے کہ میں تو بڑا قریبی ہوگیا ہوں میں تو بڑا تعلق رکھتا ہوں...... یہ ''میں'' ہی تو بندے کو پھنسا دیتی ہے، مروا دیتی ہے۔ اسی لیے دل میں عاجزی ہونی چاہیے۔ اللہ کا شکر ادا کریں اور طبیعت میں ''میں'' آنے کی بجائے عاجزی آنی چاہیے۔ عاجزی جتنی زیادہ ہوگی اللہ کے ہاں اتنے ہی زیادہ مقبول ہوں گے۔

چنانچہ کتابوں میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جب توبہ کی تو یہ بلخ کے بادشاہ تھے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ میں بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے جاؤں۔ ہر قدم پر یہ دو رکعت نفل پڑھتے ہوئے وہاں گئے۔ ایک قدم بڑھاتے مصلی بچھا کر دو رکعت نفل پڑھتے، پھر قدم بڑھاتے دو رکعت پڑھتے۔ ہر ہر قدم پر دو دو رکعتیں پڑھتے پڑھتے تقریباً اڑھائی سال میں مکہ مکرمہ پہنچے۔ واہ میرے مولا! آپ کی بھی کیا شان ہے! اور آپ کے دنیا میں کیسے کیسے چاہنے والے ہیں! وہاں جا کر طواف کیا، مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا مانگی، اے اللہ! تیرے بندے پاؤں سے چل کر تیرے گھر کی طرف آتے ہیں، میں وہ بندہ ہوں جو پلکوں کے بل چل کر تیرے گھر کی طرف آیا ہوں۔ اتنے میں رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا بھی آگئیں۔ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر اللہ کی خصوصی تجلیات ذاتیہ وارد ہو رہی ہیں۔ بڑے حیران ہوئے، کہنے لگے: رابعہ ایسا

مقام تجھے کیسے مل گیا؟ تو رابعہ نے کہا: شورتو آپ نے مچار کھا ہے کہ ہر قدم پر دو رکعت پڑھ کے آئے ہو۔ فرق بتاؤں؟ کہنے لگے: بتائیں۔ کہنے لگیں کہ فرق یہ ہے کہ آپ اس جگہ پر سر نیاز لے کر آئے ہیں اور میں اس جگہ پر دل نیاز لے کر آئی ہوں۔ میری اس نیاز مندی کو اللہ نے پسند فرمالیا۔ تو اللہ والوں کی صحبت میں رہیں تو عاجز بن کر رہیں۔ پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت کی کیا رحمتیں آتی ہیں۔

صحبت سے محبت ملتی ہے:

عاجزی کے ساتھ ان بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے ان کے دلوں کی جو محبت ہے وہ اس بندے کے دل میں Reflect (منعکس) ہو جاتی ہے۔ اور بندہ اللہ کا عاشق اور اللہ کا دیوانہ بن جاتا ہے۔ پھر دل اللہ کی محبت میں تڑپتا ہے۔ اللہ کی محبت میں اداس ہوتا ہے۔ انسان پھر اللہ کے لئے راتوں کو اٹھ کر رویا کرتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ شیخ سے جو محبت ہے وہ اس نظر سے کرو کہ یہ اللہ رب العزت کا چاہنے والا ہے، اللہ سے محبت کرنے والا ہے۔ اس کی راتیں، اس کے دن، اس کی صبحیں، اس کی شام، اس کا اٹھنا بیٹھنا ہر وقت اللہ رب العزت کی محبت میں گزر رہا ہے۔ لہٰذا میں اللہ کے چاہنے والے ایک دل کے ساتھ محبت کر رہا ہوں تا کہ مجھے بھی اللہ سے شدید محبت نصیب ہو جائے۔ اور پتہ ہے کہ یہ محبت کیا ہے؟ کسی نے عجیب اشعار کہے ہیں:

محبت کیا ہے دل درد سے معمور ہو جانا
متاع جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہو جانا
قدم ہیں راہ الفت میں منزل کی ہوس کیسی
یہاں پر عین منزل ہے تھکن سے چور ہو جانا
یہاں پر سر سے پہلے دل کا سودا شرط ہے یارو

کوئی آسان نہیں ہے سرمد و منصور ہو جانا

کیا عجیب شعر کہا:

بسا لینا کسی کو دل میں دل کا ہی کلیجا ہے
پہاڑوں کو تو بس آتا ہے جل کر طور ہو جانا

نکتے کی باتیں

☆...... پہاڑ پر اللہ کی تجلی پڑی تھی ریزہ ریزہ گیا تھا۔سرمہ بن گیا تھا۔یہاں پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب معرفت کی بات لکھی ۔طلباء کے لئے ایک عجیب نکتہ ہے۔فرماتے ہیں کہ جب پہاڑ پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو وہ منعکس ہوتی ہے۔تبھی ہمیں پہاڑ نظر آتا ہے اگر منعکس ہی نہ ہوتو پہاڑ نظر ہی نہ آئے۔تو روشنی پڑی سطح سے ٹکرا کر منعکس ہوئی اور پہاڑ ہمیں نظر آیا۔تو عام دستور یہی تھا جب اللہ رب العزت نے اس پر اپنی تجلیات ذاتیہ ڈالی تو فرماتے ہیں کہ پہاڑ نے یوں سوچا کہ اگر عام روشنی کی طرح یہ نور میری سطح سے ٹکرا کر چلا گیا تو میرے اندر کے حصے کو تو اس نور سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع تو نہیں ملے گا۔لہٰذا یہ پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تاکہ میرے ہر ہر ذرے میں اللہ کی تجلیات سمو جائیں۔اللہ اکبر۔تو یہ محبت اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر ملتی ہے۔

☆......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی تھی

رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ

اے رب! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں ذرا تجلی دکھا دیجئے، فرمایا کہ

لن ترانی "نہیں دیکھ سکتے"

لیکن جب نبی علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج سے واپس آئے تو

وہاں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ پاک نے کیا دیا فرمایا کہ پچاس نمازوں کا تحفہ۔فرمایا اے اللہ کے محبوب! میری امت پر بھی نمازیں تھی۔ذرا تخفیف کے لئے چلے جایئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ عرض کی، پانچ کم ہوگئیں، پھر پانچ کم ہوگئیں تو نو دفعہ جانے سے پینتالیس کم ہوگئیں اور باقی پانچ رہ گئیں۔پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو مجھے جاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

علما فرماتے ہیں کہ یہ جو بار بار اوپر نیچے آنا جانا تھا اس میں اللہ رب العزت اپنے پیارے محبوب کی شان دکھانا چاہتے تھے۔اگر ایک دفعہ جاتے اور واپس آتے تو کہنے والے کہتے کہ کیا ہوا ایک دفعہ قدرتاً چلے گئے۔یہ ایک دفعہ کی بات نہیں میں نے اپنے محبوب کو وہ مقام دیا جب چاہا اوپر آئے پھر نیچے چلے گئے اور پھر اوپر آئے۔نو دفعہ اوپر نیچے آنے جانے کا شرف آپ کو عطا فرمایا۔

☆......اب یہاں پر دوسرا نکتہ یہ لکھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تھے تو ان میں اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم بھی تھے وہ تو راستے میں نہیں بیٹھے تھے۔اللہ کے کلیم بیٹھے۔اس میں کیا بات ہے تو علماء نے لکھا بات یہ تھی کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کہا تھا کہ اللہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں تو اللہ نے فرمایا کہ نہیں دیکھ سکتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ چلا کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس اپنے دیدار کے لئے بلایا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ میں دیدار تو نہ کرسکا لیکن میں دیدار کرنے والوں کا دیدار تو کرسکتا ہوں۔اس لئے راستے میں جاکر بیٹھ گئے جب اللہ کا دیدار کرکے آئیں گے تو میں سب سے پہلے ان کا دیدار کروں گا۔

فرمایا کہ شیخ سے محبت اس لئے رکھو کہ یہ وہ دل ہے جس پر اللہ کی تجلیات ذاتیہ نازل ہوتی ہیں۔میرے اللہ میں یہ سعادت حاصل نہ کرسکا لیکن میں نے

اس دل سے محبت کا رشتہ تو جوڑ لیا ہے پھر دیکھو اللہ رب العزت کے ہاں کیسی قبولیت ہوتی ہے اللہ رب العزت کس طرح اپنے بندے کے ساتھ خیر کا معاملہ فرماتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مشائخ کی حقیقی محبت نصیب فرما دے اور اپنی بارگاہ میں قبول فرما لے۔

﴿وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾

(الاعراف:۱۹۶)

اللہ نیکوں کا سرپرست ہے

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

جو بندہ بھی گناہوں کو چھوڑ کر نیکی کو اپنا لیتا ہے، نیکوکاری کی زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے تو:

- اللہ رب العزت اس کے نگران، نگہبان اور سرپرست بن جاتے ہیں۔
- اس کے کاموں کو سیدھا کر دیتے ہیں۔
- اس کو مسائل میں الجھنے سے بچا لیتے ہیں۔
- اس کی پریشانیوں میں سے نکلنے کا راستہ ہموار کر دیتے ہیں۔
- ذلت کے نقشوں میں اس کے لیے عزت نکال دیتے ہیں۔
- اللہ رب العزت اس کی اس طرح حفاظت فرماتے ہیں، جس طرح باپ اپنے بچے کی حفاظت کرتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

اللہ نیکوں کا سرپرست ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

﴿وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سرپرست کا مطلب:

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

﴿وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾

''اور وہ اللہ نیکوں کاروں کا سرپرست ہے''

سرپرست کا لفظی مطلب ہوتا ہے کسی کی ضروریات کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہونا اور اس کے نفع اور نقصان کا ذمہ دار ہونا۔ مثال کے طور پر ایک باپ بچے کا سرپرست ہوتا ہے۔ لہٰذا بچے کی جو بھی ضروریات ہوں، وہ ضروریات اس کی صحت سے متعلق ہوں یا لباس سے متعلق، کھانے پینے سے متعلق ہوں یا تعلیم سے متعلق، ان تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ذمہ دار اس کا والد ہوتا ہے۔ اگر کوئی نفع ونقصان ہو جائے تو اس کا ذمہ دار بھی والد ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر چھوٹا بچہ پتھر مار کر

ہمسائے کا شیشہ توڑ دے تو اس کے والد سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ آپ اس کی قیمت ادا کریں۔اس صورت میں باپ ذمہ دار بھی بنتا ہے اور اس کی قیمت بھی ادا کرتا ہے۔

ایک مثال سے وضاحت:

سرپرست کی موجودگی میں اس بچے کو کوئی فکر یا پریشانی نہیں ہوتی۔ایک بچے نے اپنے دوست سے بات کی: میں حج کرنے جا رہا ہوں۔اس نے پوچھا کہ آپ کے پاس پیسے ہیں؟ وہ کہتا ہے: نہیں۔وہ پھر پوچھتا ہے: کیا تم نے درخواست دیدی؟ کہتا ہے: نہیں۔وہ پوچھتا ہے: کیا تم نے پاسپورٹ بنالیا؟ وہ جواب دیتا ہے: نہیں۔ وہ پوچھتا ہے: کیا تمہیں حج کا طریقہ آتا ہے؟ وہ کہتا ہے: نہیں۔وہ پوچھتا ہے: کیا تمہیں پتہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جب تم جاؤ گے تو کہاں ٹھہرو گے؟ یہ کہتا ہے: نہیں۔اس نے پوچھا: کیا تم نے ٹکٹ بنوالی ہے۔ یہ کہتا ہے: نہیں۔ جب ہر سوال کے جواب میں اس نے (نہیں) کہا۔تو دوسرے بچے نے حیران ہوکر پوچھا: پھر تم حج پر جا کیسے رہے ہو؟ تو پہلے بچے نے مسکرا کر کہا: میں اپنے ابو کے ساتھ حج پہ جا رہا ہوں۔

اب اس کے اس ایک فقرہ میں ہر سوال کا جواب موجود ہے کہ جب میں اپنے ابو کے ساتھ حج پر جا رہا ہوں۔تو وہ میری ہر ضرورت کو پورا کرے گا اور ہر قسم کے نفع ونقصان کا ذمہ دار ہوگا۔اللہ تعالیٰ بھی مومن کے بارے میں یہی لفظ استعمال فرمار ہے ہیں:

﴿ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾

''اور وہ اللہ نیکوں کاروں کا سرپرست ہے''

اللہ کی سرپرستی میں آنے کا طریقہ:

جو بندہ بھی گناہوں کو چھوڑ کر نیکی کو اپنا لیتا ہے، نیکو کاری کی زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے تو:

- اللہ رب العزت اس کے نگران، نگہبان اور سرپرست بن جاتے ہیں۔
- اس کے کاموں کو سیدھا کر دیتے ہیں۔
- اس کو مسائل میں الجھنے سے بچا لیتے ہیں۔
- اس کی پریشانیوں میں سے نکلنے کا راستہ ہموار کر دیتے ہیں۔
- ذلت کے نقشوں میں اس کے لیے عزت نکال دیتے ہیں۔
- اللہ رب العزت اس کی اس طرح حفاظت فرماتے ہیں، جس طرح باپ اپنے بچے کی حفاظت کرتا ہے۔

ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم گناہوں سے جان چھڑا کر نیکو کاری کی زندگی اختیار کر لیں، نیک بندوں میں شامل ہو جائیں۔ جب ہم یہ کام کر لیں گے تو اگلا نظام ایسا آٹومیٹک ہے کہ خود بخود عمل میں آ جاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں اگر اللہ کی رحمت کسی کا بازو پکڑ لیتی ہے تو اس کی کشتی ہمیشہ کنارے پر لگ جایا کرتی ہے، یہ بات یاد رکھیں۔ اللہ کی رحمت کیسے بازو پکڑتی ہے؟ جب بندہ نیک بنتا ہے۔

سالکین کا لفظ ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں نیکو کاری کو اختیار کرنا ہوگا۔ اللہ رب العزت اس کے بدلے ہمارے سب کاموں کو سنوار دیں گے حدیث پاک میں آیا ہے:

”اے بندے! تو دن کے شروع میں چند رکعتیں ادا کر لیا کر میں سارا دن تیرے کاموں میں تیری مدد کروں گا“

چنانچہ ہمارے لیے تو کام بہت آسان ہے۔

اللہ پاک کی سرپرستی کی لاجواب مثالیں:

جنہوں نے نیکوکاری کی زندگی گذاری اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت پناہی فرمائی ایک غیبی ہاتھ ہمیشہ ان کے پیچھے رہا۔ ذرا توجہ فرمایئے:

بی بی مریم علیہا السلام کی سرپرستی:

بی بی مریم علیہا السلام اللہ کی بندی، اور بیت المقدس میں سارا دن اللہ کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں

اللہ کے نبی زکریا علیہ السلام ان کی کفالت کے ذمہ دار تھے، ان کو سفر پر جانا پڑ گیا۔ اس سفر میں ان کو زیادہ وقت لگ گیا۔ چنانچہ وہ واپسی پر کافی گھبرائے کہ ایسا نہ ہو کہ مریم علیہا السلام کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو اور فاقوں کی نوبت آ گئی ہو۔ مگر معاملہ عجیب بنا۔

﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ﴾

جب زکریا علیہ السلام محراب میں داخل ہوئے تو دیکھا بی بی مریم علیہا السلام بے موسم کے پھل کھا رہی ہے۔ اللہ کے پیغمبر حیران ہو کر پوچھتے ہیں:

﴿ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ﴾

اے مریم، تجھے یہ پھل کہاں سے مل گئے؟

مریم نے جواب دیا:

﴿ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

(آل عمران: ۳۷)

یہ اللہ کی طرف سے ہے اللہ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب عطا فرما دیتے ہیں۔

دیکھیے اللہ رب العزت اپنے بندوں کی کیسے پشت پناہی فرماتے ہیں؟

بی بی ہاجرہ علیہا السلام کی سرپرستی:

سیدنا ابرہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سیدہ ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کے قریب چھوڑا اور سواری سے اتار کر خاموشی سے واپس ہونے لگے۔ یہ ایسی جگہ تھی کہ جہاں سبز پتہ رکھنے والا کوئی درخت نظر ہی نہیں آتا تھا۔ پانی تھا ہی نہیں، جہاں پانی نہ ہو وہاں سبزہ کیسے ہو؟ خشک پہاڑی تھی اور گرمی بھی انتہا کی تھی، تو بی بی ہاجرہ پوچھتی ہیں: آپ ہمیں یہاں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو خاموش رہنے کا ہی حکم تھا، چنانچہ خاموش رہے۔ دوسری مرتبہ پوچھنے پر بھی خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ انہوں نے ذرا بدل کر سوال کیا: کیا آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثبات میں سر ہلا دیا کہ ہاں! اللہ کے حکم سے چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: اگر آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ دیکھیے ایک خاتون کا یقین کتنا پکا ہے۔ اب کھانے پینے کے لیے جو کچھ پاس تھا وہ چند دنوں میں ختم ہو گیا۔ پینے کو پانی نہیں، جینے کو پانی نہیں۔ ماں بھی پیاسی، بیٹا بھی پیاسا۔ پانی کہاں سے لائیں؟ اب بی بی ہاجرہ صفا اور مروہ کی پہاڑی کے درمیان اپنے بچے کی خاطر پانی ڈھونڈنے کے لیے دوڑتی ہیں، لیکن اس ماں کا اضطراب اور اس کی پانی کی تلاش اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اس بے برگ وگیاہ وادی میں پتھریلی جگہ سے اللہ نے اس کے بچے کے پاؤں سے پانی کا چشمہ عطا فرما دیا۔

دو یتیم بچوں کی سرپرستی:

اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی اولادوں کے ساتھ بھی خیر کا معاملہ فرما دیتا ہے۔ دلیل قرآن عظیم الشان میں سے **سنئے**۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ایک بستی میں

پہنچے۔اس بستی والے ایسے لوگ تھے جنھوں نے ان سے کھانا بھی نہیں پوچھا تھا۔

﴿فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا﴾ (الکھف:۷۷)

لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے ایک گھر کی گرتی ہوئی دیوار کو صحیح کر کے تعمیر کر دیا۔تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ان لوگوں کا تو ہمارے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ انہوں نے ہمیں کھانا تک نہ پوچھا اور آپ نے ان کی دیوار بھی تعمیر کر دی؟ انہوں نے جواب میں کہا:

یہ دیوار دو یتیم بچوں کی تھی، ان میں خاص بات یہ تھی کہ

﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ (الکھف:۸۲)

''ان کا باپ نیک تھا''

اشارۂ خداوندی ہوا کہ میں ان کے اس خزانے کی حفاظت کر دوں۔یوں اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی اولاد کے ساتھ بھی اسپیشل فیور والا معاملہ فرما دیتے ہیں۔اگر ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی نصیب ہو جائے اور ہماری اولادوں کو بھی نصیب ہو جائے تو اس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ ہم گناہوں سے جان چھڑائیں اور اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہو جائیں۔اگر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو چالیس سال تک من وسلویٰ کھلا سکتا ہے تو کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس امت کو اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں سے رزق نہیں عطا فرما سکتا۔قصور ہماری طرف سے ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں آتے ہی نہیں۔ہم من مرضی کے مالک بنے پھرتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ جو بندہ ہاسٹل میں داخلہ لے لے اسکو وہاں کے کچن سے کھانا ملنا شروع ہو جاتا ہے۔اگر ایک بندہ داخل ہی نہ ہو تو راہ چلتے تو اسے کوئی کھانا نہیں دے گا۔ہم اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں شامل ہونے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ہمارا جی چاہتا ہے کہ ادھر بھی دیکھیں ادھر بھی دیکھیں۔

- رنگ برنگ کھانوں کا مزہ لیں
- اپنی شہوات کو پورا کریں
- شریعت کے حکم بالائے طاق رکھتے ہوئے نفس کی خواہشات کو پورا کریں

اسی وجہ سے اس فہرست سے ہمارا نام خارج کر دیا جاتا ہے۔ اب بتائیے کہ چند لمحوں کی لذت کی خاطر جو بندہ اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندوں کے دفتر سے اپنا نام کٹوا بیٹھے وہ کتنا خسارا پانے والا ہوگا۔ لمحوں نے خطائیں کی صدیوں نے سزا پائی۔ ہمارا کام اللہ رب العزت کے نیک بندوں میں شامل ہو جانا ہے۔ جب ہم شامل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ پشت پناہی بھی فرمائیں گے اور کاموں کو سنواریں گے۔ اب میں آپ کو چند واقعات سناتا ہوں جس سے پتہ چلے گا کہ اللہ رب العزت کی کیسے مدد ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کاموں کو کیسے سنوارتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں کی سرپرستی:

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک نیک بزرگ گزرے ہیں۔ اللہ نے ان کو حکومت بھی عطا فرمائی۔ مگر انھوں نے اپنے آپ کو نیکی کے راستے پر چلائے رکھا۔ انتہائی سادہ زندگی گزاری اور اپنے رب کو راضی کرنے میں لگے رہے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے ایک دوست نے کہا: عمر تم نے اپنے بچوں کے ساتھ بہت برا کیا۔ پوچھا کیسے؟ اس نے کہا: دیکھو! جو تم سے پہلے حاکم تھے، انہوں نے اپنی اولادوں کے لیے اتنے خزانے چھوڑے، اتنی زرعی زمینیں چھوڑیں اتنی جاگیروں کا انتظام کیا، وہ ان کے لیے کیا کیا خزانے چھوڑ کر گئے، آج ان کی اولادیں عیش کی زندگی گذار رہی ہیں، تمہارے گیارہ بیٹے ہیں تم نے ان کے لیے کچھ بھی نہیں بنایا۔ یہ بات سن کر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ فرمانے لگے: میری بات سنو! اگر میں نے اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی، ان کو نیکی سکھائی ان کو

نیکی کے راستے پر لگایا تو اللہ کا وعدہ ہے:

﴿ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۞ ﴾

''اور وہ اللہ نیکوکاروں کا سرپرست ہے''

چنانچہ میں اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں دے کر جارہا ہوں۔ اگر یہ نیک نہیں بنے اور بدکار رہیں تو ان کی بدکاریوں پر میں ان کا کوئی تعاون نہیں کرنا چاہتا۔ یہ کہہ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فوت ہو گئے۔ لیکن ان کے بعد جو بندہ حکومت میں آیا، اس کو مختلف علاقوں کے گورنر بنانے کے لیے اچھے بندوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کو پورے علاقے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں سے زیادہ لکھا پڑھا، تربیت یافتہ اور سنورا ہوا بندہ نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کے ایک بیٹے کو گورنر بنایا، پھر دوسرے کو بنایا، پھر تیسرے کو بنایا...... حتیٰ کے ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا پہلے والے وہ حکام جو اپنے بیٹوں کے لیے بڑی بڑی جاگیریں چھوڑ کر گئے تھے۔ ان کے اوپر ایسے حالات آئے کہ ان کا سب کچھ ختم ہو گیا اور میں نے ان کو جامع مسجد کے دروازے پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ اور عین اس وقت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے گیارہ بیٹے، گیارہ صوبوں کے گورنر بنے ہوئے تھے۔

سوچیے! کہ جو اتنا کچھ چھوڑ کر گئے ان کے بیٹوں کے ایسے حالات پھرے کہ وہ نان شبینہ کو ترستے تھے اور مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر بھیک مانگتے تھے۔ اور جو کچھ بھی نہ چھوڑ کر گئے مگر اولاد کو نیک بنا گئے، اس کے گیارہ بیٹے ایک ہی وقت میں گیارہ صوبوں کے گورنر بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ جو لوگ سوچتے ہیں پلاٹ چھوڑ جاؤ، فیکٹری لگا جاؤ، دکان بنا جاؤ، بزنس بنا جاؤ۔ یہ سب ریت کے گھروندے ہیں، ان کے جانے کرنے کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ مکڑی کے جالے ہیں۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

پائیدار کام کیا ہے؟ یہ کہ خود بھی نیک بنیں اپنی اولادوں کو نیک بنا کر ان کو اللہ رب العزت کی سپردگی میں دے جائیں۔ان کے لیش اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بڑا نگران کوئی نہیں ہوگا وہ ان کے لیے زندگی کے اندر عزتوں کے نقشے سجا دے گا۔

ایک ولی کامل کی سرپرستی:

ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں خواجہ عبدالمالک چوک قریشی والے۔ ایک مرتبہ مسکین پور شریف والی مسجد میں ان کی زیارت نصیب ہوئی۔ وہ فرمانے لگے: میں آپ کو اپنی زندگی کا ایک واقعہ مسجد میں باوضو بیٹھ کر سناتا ہوں۔ ہم نے کہا: بہت اچھا ضرور سنایئے۔ کہنے لگے: جب حضرت نے مجھے اجازت وخلافت عطا فرمائی تو میرے پاس وسائل کی بہت کمی تھی۔ والدین نے میری شادی کر دی۔ میں اور میری بیوی، دونوں فاقے کا وقت گزارتے۔ میں اپنے حضرت سے کہتا۔ حضرت! میرے لیے رزق کی دعا کر دیں۔ حضرت جواب میں فرماتے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

”اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے“

ایک مرتبہ حضرت نے مجھے ایک چھوٹی سی گندم کی بوری بھیجی جسے گٹو کہتے ہیں۔ اس کے اندر تقریباً دس کلو گندم ہوگی اور ساتھ ایک رقعہ بھیجا اور فرمایا: عبدالمالک! تم اس گندم کو کسی بند برتن میں ڈال دینا اور اس کا دروازہ بند کر دینا اور یہ رقعہ بھی اندر ڈال دینا۔ پھر ایک سوراخ سے وہ گندم نکال کر تم کھاتے رہنا۔ اس رقعے پر پھر نیچے لکھا ہوا تھا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۵۲)

وہ کہنے لگے: میں نے اپنے شیخ کے کہنے پر ایسے ہی عمل کیا۔ پھر فرمایا:

......میں ابھی نماز پڑھ کے فارغ ہوا ہوں

......مسجد میں بیٹھا ہوں

......باوضو بیٹھا ہوں

میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر آپ کو بتا رہا ہوں کہ آج اس گندم کو استعمال کرتے ہوئے مجھے چالیس سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن وہ گندم ختم نہیں ہوئی۔

﴿ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾

''اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے''

ان کے کام سنوار دیتا ہے۔ عزتوں کے تاج ان کو پہنا دیتا ہے ان کے گلے میں کامیابیوں کے ہار ڈلوا دیتا ہے۔ ان کو کرنا کچھ بھی نہیں پڑتا۔ ایسے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے لیے انتظامات کر دیے ہوں۔ یہ نیکو کاری کا پھل ہوتا ہے جو انسان کو دنیا میں بھی مل رہا ہوتا ہے اور آگے جا کر تو پھر مزے ہی مزے ہوتے ہیں۔

مرشدِ عالم کے ایک خادم کی سرپرستی:

ہمارے ایک پیر بھائی تھے، قاری صاحب۔ وہ ہمارے حضرت کے بڑے خادم تھے، ان کا گھر مدینہ طیبہ میں تھا۔ اللہ نے ان کو کثیر الاولاد بنایا تھا۔ ان کے نو بیٹے ہوئے اور بیٹیاں ان کے علاوہ تھیں۔ پھر ماشاء اللہ انہوں سب کو نیکی پر لگایا ان کا ہر بچہ حافظ قاری اور مفتی بنا۔ وہ ہمارے حضرت کے بہت قریبی تھے اور خدمت خوب کیا کرتے تھے۔

جب حضرت مرشدِ عالم دنیا سے تشریف لے گئے تو چند سالوں کے بعد یہ عاجز مسجد میں بیٹھا تھا، وہی قاری صاحب تشریف لائے اس وقت ان چہرے پر بہت ہی افسردگی کے آثار نظر آ رہے تھے میں نے پوچھا قاری صاحب خیر تو ہے۔ کہنے لگے: آج بہت پریشان ہوں، پوچھا کس بات پر پریشان ہیں، فرمانے لگے: بڑا بیٹا اب

مفتی بن چکا ہے اور وہ جوان بھی ہو چکا ہے۔ ہماری اتنی بڑی فیملی، گھر کے تین کمروں میں رہتی ہے۔ اب اس کی شادی کرنے کے وقت ہمارے پاس کوئی اور کمرہ نہیں کہ اس کی شادی کر کے اس کو وہاں ٹھہرائیں۔ سعودیہ میں شادی کا خرچہ لڑکی والوں کی بجائے سب کا سب لڑکے والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں تو لڑکی والے جہیز بناتے ہیں، خرچ کرتے ہیں اور کیا کیا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے لڑکی کی پیدائش پر لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔ وہاں کھلا ڈلا معاملہ ہے۔ لڑکی والوں کو کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا، تمام خرچہ لڑکے والے برداشت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: ہم اس ملک میں ہیں شادی کا خرچہ برداشت ہی نہیں کر سکتے، کیا کریں؟ میری تنخواہ بھی اتنی تھوڑی ہے کہ دال ساگ اور روٹی ہی خرچ ہو جاتی ہے، اس سے زیادہ تو کچھ ہے ہی نہیں۔ آج میرا دوست آیا ہے اس نے مجھے بہت جلی کٹی سنائیں۔ اس نے کہا: بڑے مولوی بنے پھرتے ہو، کیا کیا ہے تم نے؟ تمھاری مت ماری گئی ہے، تم دو بچوں کو ملا بنا دیتے اور خوش ہو جاتے۔ باقی میں سے کسی کو انجینئر بناتے، کسی کو ڈاکٹر بناتے اور کسی کو بزنس مین بناتے آج یہ بچے کمانے والے ہوتے اور تمھارے ساتھ مل کر گھر کا بوجھ اٹھاتے۔ تم جیسا بھی کوئی بے وقوف ہوگا کہ ساروں کو ہی ملا اور مولوی بنا دیا۔ اب یہ نہ تو خود کھا سکتے ہیں اور نہ ہی تمہیں کھلا سکتے ہیں۔ اب بیٹھ کر سوچو کیا کرنا ہے؟

کہنے لگے: وہ میرا بچپن کا دوست ہے، اس نے میرا اتنا دل توڑا کہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں کوئی بہت بڑا جرم کر بیٹھا ہوں۔ آخر میں اس نے کہا: اب جاؤ اپنے بیٹے کے لیے رشتہ تلاش کرو، جوتیاں چٹخا بیٹھو گے پھر بھی رشتہ نہیں ملے گا۔ میں اس کی بات سے اور زیادہ مایوس ہو گیا۔ اس لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے بچے کا یہ معاملہ آسان کر دے۔ اس عاجز نے ان سے کہا: ہم آگے سرکار (نبی کریم ﷺ) کی خدمت میں سلام کے لیے جا رہے ہیں، آئیں

آپ بھی چلیں! پھر دعا کریں گے۔ خیر مواجہ شریف پر حاضر ہو کر سلام پڑھا اور دعا کی۔

اگلے دن مسجد نبوی میں عشا کی نماز پڑھ کر بیٹھے تو قاری صاحب مٹھائی کا ایک ڈبہ ہلاتے، مسکراتے، تشریف لے آئے۔ جب ہم نے ان کے چہرے پر چمک دیکھی تو ہمیں بھی خوشی ہوئی کیونکہ کل کہہ رہے تھے کہ ہم نے رشتہ دیکھنے کے لیے جانا ہے دعا کریں کہ وہاں ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے پوچھا: قاری صاحب کیا بنا؟ کہنے لگے: اللہ کی عجیب رحمت ہوئی! ہم نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگے: ہمیں پتہ چلا کہ ایک پاکستانی انجینئر تھا۔ وہ ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گیا۔ اس کے گھر میں ایک بیٹی جوان تھی، وہ پڑھی لکھی خوب صورت، خوب سیرت بہت ہی اچھی بچی تھی۔

جب ہمیں پتہ چلا تو میں اپنی بیوی کو لے کر ان کے گھر گیا۔ جب میری بیوی ان کے گھر گئی اور انجینئر صاحب کی اہلیہ صاحبہ سے ملی تو دو منٹ کے بعد پیغام بھیجا کہ میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں تو میرا دل تو گھبرا گیا کہ انھوں نے میری بیوی کو جواب دے کر بھیج دیا ہوگا۔ جب میں اپنی بیوی سے ملا اور پوچھا کیا ہوا؟ میری بیوی کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگی: ہو گیا، ہو گیا، میں نے پوچھا کیا ہو گیا کہنی لگی سب ہو گیا سب ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد جب اسکا سانس بحال ہوا تو کہنے لگی: اصل بات یہ ہے کہ اتنی خوبصورت بچی کا زندگی میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی ماں کو جب میں نے بات کی تو اس نے کہا: میرا خاوند دیندار تھا اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں اپنی ہر بیٹی کا رشتہ کسی دیندار عالم سے کروں گا۔ اس لیے میں ان کا رشتہ عالم لوگوں سے کروں گی۔

پھر کہنے لگی: اب میں آپ کو ایک اور بات بتاؤں، پھر خاموش ہو گئی اور سسپنس میں ڈال دیا۔ میں نے کہا: بتاتی کیوں نہیں؟ کہنے لگی: الحمد للہ ہمارے نو بیٹے ہیں اور

اس کی نو بیٹیاں ہیں اور ہر بیٹی ہمارے بیٹے سے دو سال چھوٹی ہے، ہم نے نو بیٹوں کی ہاں کر دی ہے۔ ایک بڑا ہے اس کی شادی کر دیں گے، پھر اگلا بڑا ہوگا، اس کی شادی کر دیں گے، میں آج دو منٹ میں نو بچوں کی منگنی کر کے آئی ہوں۔

﴿وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾

''اور وہ اللہ نیکوں کاروں کا سرپرست ہے''

جن لوگوں کی صرف ایک بیٹی ہوتی ہے اور اس کا رشتہ نہیں آ رہا ہوتا تو پھر ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ یہ ماں باپ ہی بہتر جانتے ہیں۔ پریشان ہوتے ہیں۔ روتے ہوئے کہتے ہیں: حضرت! یہ بیٹی ہے، خود تو اسے کہیں نہیں چھوڑ کر آ سکتے؟ آخر کوئی رشتہ مانگنے آئے گا تب ہی بھیجیں گے نا۔ حضرت! کیا کریں؟ ہمارے آنسو ہی نہیں تھمتے، ہم تو میاں بیوی چھپ چھپ کے روتے ہیں۔ ایک بیٹی کا رشتہ کرنا اتنا مصیبت بن جاتا ہے! لیکن جب اللہ کی مدد آتی ہے تو چند منٹوں میں بچوں کے رشتے طے ہو جاتے ہیں۔

ایک فارغ التحصیل عالم کی سرپرستی:

جرمنی میں ایک شہر ہیمبرگ ہے وہاں سب سے پہلے قرآن شریف پرنٹ ہوا تھا ایک رشیا میں بھی سن پیٹر برگ میں پرنٹ ہوا تھا یعنی جب چھاپہ خانے بنے تو سب سے پہلے ان جگہوں پر قرآن مجید کی طباعت ہوئی۔

ایک مرتبہ مجھے ہیمبرگ میں جانا ہوا۔ بیان کیا۔ بیان کے بعد ایک پاکستانی انجینئر مجھے ملنے آئے۔ وہ دیکھنے میں بہت خوبصورت تھے۔ نقش نین بڑے پیارے، رنگ بڑا صاف، پرسنیلٹی بڑی اچھی...... وہ مجھے آ کر کہنے لگے: جی! میں آپ کو ایک بات بتاؤں؟ میں نے کہا: بتائیں۔ وہ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ داڑھی والوں کی بڑی فیور کرتے ہیں۔ میں نے کہا: بات تو بالکل ٹھیک ہے مگر آپ کو کیسے پتہ چلا۔ وہ کہنے لگا:

جی! میرے ساتھ ایسی کہانی بیتی ہے جو کسی کو بتا نہیں سکتا لیکن میں آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ میں نے کہا: بہت اچھا۔ اب اس نے اپنی آپ بیتی سنانا شروع کر دی:۔

میں بڑی اچھی تنخواہ لینے والا پاکستانی انجینئر ہوں۔ جس دفتر میں کام کرتا ہوں وہاں ایک جرمن لڑکی کام کرتی ہے۔ وہ حسن و جمال میں اپنی مثال آپ ہے، لوگ اسے بیوٹی کوئین (حسن کی ملکہ) کہتے ہیں۔ وہ بھی انجینئر ہے۔ مگر اتنی سمجھدار ہے کہ وہ کسی بندے کو ایک سے دوسری بات نہیں کرنے دیتی۔ دفتر کے جتنے نوجوان ہیں، ان میں سے ہر ایک کے دل کی حرص ہے کہ اس سے میری شادی ہو۔ کوئی کسی ڈھنگ سے کوشش کرتا ہے، کوئی کسی ڈھنگ سے۔ مگر وہ کسی کے قابو میں ہی نہیں آتی۔ اتنا رعب رکھتی ہے کہ وہ دوسری بات ہی نہیں کرنے دیتی۔ نوجوان آپس میں جب بیٹھتے ہیں تو بے اختیار اسی کا ٹاپک (موضوع) چھڑ جاتا ہے کہ پتہ نہیں کس قسمت والے کو ملے گی؟ پتہ نہیں کس کی بات سنے گی۔

ایک دن دوپہر کے کھانے کا وقفہ تھا لوگوں نے میس ہال میں کھانا کھایا لیکن میں نے کھانا نہ کھایا۔ قدرتاً اٹھتے ہوئے وہ لڑکی قریب سے گذری تو مجھ سے کہنے لگی: جی! آپ نے کھانا نہیں کھایا؟ میں نے کہا: بس آج میں نے کھانا نہیں کھانا۔ پوچھنے لگی: کیا آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ میں نے کہا: کیونکہ ہمارا رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو گیا ہے، اس لیے آج میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ کہنے لگی: رمضان کیا ہوتا ہے؟ میں نے اسے رمضان المبارک اور اس کے روزوں کے متعلق تعارف کرایا۔ اس کے دل میں دلچسپی پیدا ہوگئی، چنانچہ اگلے دن اس نے پھر روزے کے بارے میں پوچھا۔ مجھے بات کرنے کا موقعہ مل گیا، میں اسی ٹاپک کو لمبا کرتا گیا۔ مجھے روزے کے متعلق جو مسئلے یاد نہیں تھے، وہ بھی سن سنا کے یاد کر کے اس کو بتائے۔

کئی دن اسی ٹاپک پر ہماری بات چیت ہوتی رہی۔ ایک دن وہ کہنے لگی: تمہارا

عالم کہاں ہوتا ہے؟ جس سے میں اور مسئلے پوچھوں! میں نے ایک اسلامک سنٹر کا پتہ بتادیا کہ آپ وہاں کے امام صاحب سے رابطہ کرلیں، وہ عالم ہیں تمہیں سب مسئلے بتا دیں گے۔ اس لڑکی نے وہاں رابطہ کیا اور اس لڑکی کی اس امام کے ساتھ ایک مستقل رابطے کی صورت بن گئی۔

چند دنوں کے بعد جب وہ واپس آئی تو اس نے سر کے بال چھپائے ہوئے تھے۔ ہم بڑے حیران ہوئے، سب نے پوچھا کیا ہوا؟ اس نے بتایا جی میں مسلمان ہو گئی ہوں اور میں نے اسی امام صاحب کے پاس جا کر کلمہ پڑھا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر باقی لوگ تو بڑے حیران ہوئے مگر میں بڑا خوش ہوا۔ اگلی بات سوچنے لگا کہ پورے دفتر میں میں ہی ایک مسلمان ہوں لہٰذا اب میرا کام بن جائے گا۔ یہ اب میرے ساتھ ہی رشتہ کرے گی، کسی اور کے ساتھ کر ہی نہیں سکے گی۔ میں اس دن مین آف دی ڈے بنا ہوا تھا۔ باقی سب میری طرف حسرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ بازی لے گیا۔

اب میں نے اس سے ذرا کھل کے اسلام کے متعلق باتیں کرنا شروع کر دیں۔ جو ماں سے سنی تھیں جو باپ سے سنی تھیں یا استادوں سے سنی تھیں، سب اس کو بتاتا اور وہ بھی میری باتیں خوب سنتی تھی۔ حتیٰ کہ چھٹیوں کا زمانہ آگیا۔

پہلے وہ دسمبر کی چھٹیوں میں ساحلِ سمندر میں جانے کا پروگرام بناتی تھی۔ اب میں نے کہا: تم مسلمان ہو کیسے جاؤ گی؟ وہ کہنے لگی: نہیں میں خود بھی نہیں جانا چاہتی۔ میں نے پوچھا پھر کیا کرو گی؟ کہنے لگی: میں ترکی جاؤں گی وہ مسلمان ملک ہے میں وہاں جا کر اسلام کے بارے میں کچھ معلوم کروں گی۔ میں نے اس سے کہا: جی! ترکی میں کیا پڑا ہوا ہے، اصل اسلام تو پاکستان میں ہے۔ تم میرے ساتھ پاکستان چلو! تمہیں وہاں سارا اسلام نظر آجائے گا۔ عالم وہاں ملیں گے، کتابیں وہاں ملیں گی،

مدرسے وہاں ملیں گے۔ وہاں سب کچھ ملے گا۔ اندر سے میرا دل کہہ رہا تھا: اللہ کرے! یہ ایک مرتبہ پاکستان میں آجائے۔ یہ پنچھی ایک مرتبہ پنجرے میں پھنس جائے! بالآخر وہ کہنے لگی: ٹھیک ہے، میں سوچوں گی۔

اس نے دوسرے دن آ کر کہا: اچھا! میں پاکستان جاؤں گی۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے، میں بھی جانے کا پروگرام بناؤں گا۔ میں ذرا اچھے طریقے سے آپ کو اسلام سکھانے میں کام آؤں گا۔ کہنے لگی: نہیں میں اپنی ٹکٹ خود بک کرواؤں گی اور وہاں ہوٹل کی بکنگ کرواؤں گی، ہوٹل میں جا کر رہوں گی۔ ہاں! میں مساجد دیکھنے کے لیے بھی جاؤں گی۔ میں نے کہا: نہیں! میرے گھر چلنا، وہیں رہنا، وہاں میری والدہ بھی ہے، بہنیں بھی ہیں، وہ آپ کو بڑی باتیں بتائیں گی۔ میری بہن ایم اے ہے اور میری والدہ بھی پڑھی لکھی ہے۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے ان کو میرے ہوٹل میں لے آنا، میں وہاں ان سے بات چیت کروں گی، اگر میں نے اطمینان محسوس کیا تو میں تمھارے گھر ایک دن کے لیے آؤں گی۔ میں نے کہا: چلو یہی بہتر ہے۔

ادھر میں نے اپنی بہن کو فون کیا، والدہ کو فون کیا کہ تیار رہیں! میں اپنی منگیتر کو لے کر آرہا ہوں۔ آتے ہی آپ لوگوں نے میری شادی کر دینی ہے۔ باقی جو دس دن تھے وہ کٹتے ہی نہیں تھے۔ لوگوں کو راتوں کو خواب آتے ہیں، مجھے دن میں بیٹھے خواب آتے تھے کہ ہم پاکستان جا رہے ہیں، وہ میری بیوی بنے گی اور ہماری لائف ایسی ہو گی میں، بڑا خوش نصیب ہوں گا۔ پوری برادری دیکھے گی کہ کیسی میری بیوی ہے! گھنٹوں، میں ان خیالوں میں گم رہتا گویا مجھے اپنی طرف سے پوری تسلی ہو گئی کہ اب میری شادی ہو جائے گی۔

جس دن میں ایئر پورٹ پر پہنچا تو میری نگاہیں اسے تلاش کرنے لگی کہ پتہ نہیں وہ آتی بھی ہے یا نہیں۔ کچھ دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ اس نے اپنا سامان اٹھایا،

پھر وہ آکر لائن میں لگی اور اس نے بھی چیکنگ کروالی۔ پھر اس نے مجھے بتا دیا میں نے بھی اپنی سیٹ لے لی ہے، اب میں چلوں گی۔ یوں مجھے پکی تسلی ہوگئی۔ بالآخر ہم لاہور اتر گئے۔

لاہور میں ہمارا کروڑوں کا کاروبار تھا، ڈیفنس میں کوٹھی تھی اور گاڑیوں کا شوروم تھا۔ ہمارا خاندان بڑا امیر کبیر شمار ہوتا تھا۔ مجھے تسلی تھی کہ جب یہ سب کچھ دیکھے گی تو بس اگلے دن نکاح ہو جائے گا اور اس کے بعد ہم اپنا وقت گذاریں گے۔ اس کو ائرپورٹ پر ہوٹل والی گاڑی لینے آئی ہوئی تھی، چنانچہ اس نے کہا: ابھی میں تھکی ہوئی ہوں، لہٰذا اب میں ہوٹل میں جا کر آرام کروں گی۔ کل دوپہر کو تم اپنی والدہ کو میرے پاس لے آنا۔ اگلے دن میں اپنی والدہ اور بہن کو بھی اس ہوٹل میں لے گیا۔ انھوں نے اس سے کہا: دیکھو! تمہیں یہاں کھانے کی تنگی ہے، کھانے میں بھی پتہ نہیں حلال چیز ڈالی ہوتی ہے یا کوئی اور۔ سب سے زیادہ حلال چیز ہمارے گھر میں ہے۔ تم ہمارے گھر آؤ ہم تمہیں کھانے کھلائیں گے۔ ہم چائنیز ڈشز بھی بناتے ہیں، فلاں بھی بناتے ہیں۔ انہوں نے ایسی گردان پڑھی کہ اچھے بھلے پیٹ بھرے بندے کے منہ سے بھی رال ٹپک جائے، بھوکے کے منہ سے تو ٹپکتی ہی ہے۔ بالآخر اس نے کہا: اچھا میں آؤں گی۔

چنانچہ وہ ہمارے گھر آ گئی۔ اب میری بہن نے اس کو اس بات پر تیار کیا کہ ہوٹل کی رہائش چھوڑو اور ہمارے گھر میں رہو! اس نے بھی محسوس کیا کہ گھر میں کچھ عورتیں ہیں، میں ان کے درمیان محفوظ رہ سکتی ہوں، یہاں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے رہنے کا ارادہ کر لیا۔

لو جی! میری والدہ نے اسے ایک ہی دم میں بیٹی بنا لیا۔ اس نے کہہ دیا بس آج کے بعد آپ میری بیٹی ہیں۔ ایک میری یہ بیٹی، ایک میری آپ بیٹی ہیں۔ میری ماں

اس کے ساتھ اتنی سوئیٹ ہوگئی اور میری بہن تو اس کی سہیلی بن گئی۔ وہ کہتی: میں سوچتی تھی کہ زندگی میں کسی کو اپنی سہیلی بناؤں گی، اب آپ مجھے ملی ہیں اور اب میں نے آپ کو سہیلی بنالیا ہے۔ وہ دونوں اس سے بڑی باتیں کرتی تھیں۔اور وہ ان دونوں کی باتیں سن کر چپ رہتی تھی۔

اب، میری والدہ نے کہنا شروع کردیا کہ آپ دونوں انجینئر ہیں، ایک ہی جگہ کام کرتے ہیں، کتنا اچھا جوڑ ہے، کیوں نہ ہم تمہاری شادی کردیں اور تم واپس جا کر میاں بیوی کی زندگی گذارو۔اس نے کہا: میں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں، والدہ کہنے لگی: کوئی بات نہیں ہم ایک دو دن انتظار کرلیں گے۔ پھر ایک ہفتہ اسی طرح گذر گیا۔

جب دوسرا ہفتہ شروع ہونے لگا تو مجھے فکر ہوئی۔ میں بڑا پریشان ہوا۔ میں نے اپنی امی سے، بہن سے کہا: اگر یہ میرے لیے نہیں مان رہی تو چلو میرے چھوٹے بھائی بھی ہیں، وہ بھی ماشاء اللہ! لکھے پڑھے اور نوجوان تھے اور مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور Young (نوجوان) تھے۔ان کے رشتے کی ہی بات کردو۔ چنانچہ میری والدہ نے اس کو ان کے رشتے بھی پیش کیے۔اس نے ان کو بھی رد کردیا۔میری والدہ حیران تھی کہ پتہ نہیں، یہ چاہتی کیا ہے؟

میرے ایک چچا تھے۔تبلیغی جماعت میں جاتے تھے۔ رائیونڈیے تھے۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔اس کو انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں پڑھایا اور وہ عالم بن گیا تھا۔ پوری برادری میں معاشی اعتبار سے سب سے زیادہ کمزور حالت ان کی تھی۔ان کے پاؤں میں ہوائی چپل ہوتی تھی، میلے سے کپڑے ہوتے تھے، سر پر ٹوپی ہوتی تھی، دال ساگ کھاتے تھے اور اسی حال میں پڑھتے تھے۔

میرا وہ کزن میری امی کو کچھ دینے کے لیے ہمارے گھر آیا اور اس لڑکی نے اس داڑھی والے بندے کو دیکھ لیا۔ پھر اس نے میری والدہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟

میری کم بختی آ گئی کہ امی نے بتا دیا کہ یہ میرے دیور کا بیٹا ہے اور عالم ہے۔ اس نے کہا: کیا میں اس سے اسلام کے بارے میں کوئی سوال پوچھ سکتی ہوں؟ امی نے کہا بہت اچھا! ضرور پوچھیں! جب امی نے اس مولوی صاحب سے بات کی تو پہلے تو اس نے منع ہی کر دیا کہ میں اس سے بات ہی نہیں کرتا۔ مگر امی نے منت سماجت کی بالآخر وہ تیار ہو گیا لیکن اس نے اس طرح بات چیت کی جیسے کوئی روٹھا ہوا ہوتا ہے۔ نہ تو اس نے اس کی طرف دیکھا اور نہ ہی صحیح لہجہ میں بات کی۔ بہر حال! لڑکی نے اس سے باتیں پوچھیں اور اس نے اسے بتا دیں اور پھر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

لڑکی نے جاتے ہوئے اس سے کہا: بھئی! آپ اپنا کوئی نمبر دے دیں، میں فون پر آپ سے بات کر لیا کروں گی۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ اس نے اس سے نمبر لے لیا۔ اب جب دوسرے دن اس نے ایک گھنٹہ دین کے بارے میں باتیں پوچھیں تو مولوی صاحب تو کچھ زیادہ ہی جانتے تھے۔ انھوں نے اس کو سارا کچھ بتا دیا۔

اس کے بعد وہ لڑکی کہنے لگی: کیا میں آپ سے شادی کر سکتی ہوں؟ مولوی صاحب نے بتایا: میں ابو سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ جب مجھے امی نے بتایا تو میں دعائیں مانگنے لگا: یا اللہ! اس کو ابو نہ کر دے۔ جب اس نے ابو سے پوچھا تو اس نے کہا: بیٹا! ہم نے تو دین کی خدمت کے لیے زندگی گزارنی ہے، اگر اللہ نے تمہارا رزق وہاں رکھا ہے تو جاؤ اور وہاں جا کر دین کا کام کرو۔ چنانچہ اس نے فون پر اس لڑکی کو ہاں کر دی۔ جیسے ہی ہاں ہوئی تو اس نے اس کے والد کو بلوا لیا اور قریب کی مسجد میں چند شرعی گواہوں کی موجودگی میں اس لڑکی نے اس سے نکاح کر لیا۔

اگلے دن اس کو لے کر جرمن ایمبیسی چلی گئی۔ وہاں جا کر اس نے کہا: میں جرمن ہوں، انجینئر ہوں، یہاں پاکستان میں چھٹیاں گذارنے آئی تھی۔ یہ بندہ مجھے پسند آ گیا اور میں نے اس سے شادی کر لی ہے۔ لہٰذا اس کو ویزہ لگا دیں۔ انھوں نے اس کا

دس سال کا ملٹی پل ویزہ لگا دیا۔ وہ مولوی صاحب کو لے کر جرمنی پہنچ گئی، ہم دیکھتے رہ گئے۔

یہ کہانی سنا کر وہ پھر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ مولویوں کی بڑی فیور کرتا ہے۔ میں نے اس سے کہا: حقیقت یہ ہے:

﴿ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾

''اور وہ اللہ نیکوں کاروں کا سرپرست ہے''

ان کے کام سنوار دیتا ہے۔ ان کے لیے ایسے اسباب بنا دیتا ہے کہ بندے کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے۔

جو بندے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی بہت مدد کرتے ہیں۔ یہ الفاظ کہنا مناسب تو نہیں کہ ہم بندوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ فلاں افسر فلاں کی بڑی فیور (رعایت) کرتا ہے۔ اور زیادہ کہنا ہو تو کہتے ہیں: جی'' آوٹ آف دی وے'' جا کر (روٹین سے ہٹ کر) فیور (حمایت) کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تو ہر چیز ان دی وے ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز آوٹ آف دی وے نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی اس طرح پشت پناہی کرتے ہیں، جس طرح آج دفتر والے افسر دفتروں میں اپنے کسی رشتہ دار کی روٹین سے ہٹ کر پشت پناہی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سپردگی میں آ جائیں۔

آج جن کے تعلقات زیادہ ہوں، جن کے وسائل زیادہ ہوں، ان کے بارے میں کہتے ہیں: جی! ان بندوں کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔ اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اصل میں تو اللہ کے ولیوں کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں۔ اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ اللہ کے خزانوں میں جا پہنچتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ سمجھانے کے لیے فرمایا کرتے تھے

اللہ والوں کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کی جیب میں ہوتے ہیں۔

ملا جیون رحمہ اللہ کی سرپرستی:

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں، ایک مرتبہ بادشاہ کو ان سے کوئی کام پڑا تو بادشاہ نے اپنے سپاہی کو آپ کے پاس بھیجا کہ جا کر ملا صاحب سے فتویٰ پوچھ کر آؤ! ملا جیون درس حدیث دے رہے تھے۔ اس درس کے دوران وہ آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ اب یہ لوگ حدیث کے درس میں سپاہیوں کو کیا جانیں؟ چنانچہ وہ درس دیتے رہے، دیتے رہے، اسی طرح اسے ایک گھنٹہ تک کھڑا ہونا پڑا۔ اتنی دیر کے بعد جب اس نے مسئلہ پوچھا تو انھوں نے بات بتا دی۔

اب اسے اندر سے غصہ تھا کہ انھوں نے مجھے ایک گھنٹہ کھڑا رکھا۔ اس نے تو ایسی کہانی بادشاہ کو جا کر سنائی کہ جناب! وہ تو آپ کو سمجھتا ہی کچھ نہیں، اس کے تو اتنے شاگرد ہیں، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ آپ کے خلاف ایک بہت بڑی فوج تیار کر رہا ہے، اسکا ابھی سے بندوبست کرلیں، میں وردی کے ساتھ ان کے پاس گیا لیکن انہوں نے میرے ساتھ ایسے ڈیل کیا جیسے میں ان کا چپڑاسی بھی نہیں ہوں۔ اس نے ایسی لگائی بجھائی کی کہ بادشاہ نے کہا کہ ملا جیون کو گرفتار کر کے لاؤ!

ادھر اس نے حکم جاری کیا، اُدھر ملا جیون کا ایک شاگرد جو اسی بادشاہ کا بیٹا تھا، ان کے پاس پڑھتا تھا، اس نے جب ابو کی بات سنی تو بھاگا کہ اپنے استاد کو بتاؤں۔ چنانچہ اس نے آ کر بتایا: حضرت! میرے والد نے آپ کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا ہے اور پولیس ابھی کچھ دیر کے بعد آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ ملاں جیواں نے کہا: اچھا ایسا ہے تو پانی لاؤ! ہم بھی وضو کرتے ہیں، مصلے پر دو رکعت پڑھتے ہیں۔ اب اس نے وضو تو کروا دیا، مگر بچہ سمجھدار تھا، جب وہ مصلیٰ پر چڑھے تو باپ کی طرف بھاگا اور

کہنے لگا: ابو ملا جیون نے وضو کرلیا ہے اور مصلے پر چڑھ چکے ہیں اگر دعا کے لیے ان کے ہاتھ اٹھ گئے تو پتہ نہیں آپ کے آئندہ مستقبل کا کیا بنے گا؟

اس وقت بادشاہ کے سر پر تاج نہیں تھا، وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں بھاگتا ہوا آیا اور آکر ملا جیون کے پاؤں پکڑ لیے اور عرض کرنے لگے حضرت! آپ ہاتھ نہ اٹھائیں اگر آپ نے ہاتھ اٹھا لیے تو میری نسلوں کا حشر ہو جائے گا۔

﴿ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾

''اور وہ (اللہ تعالیٰ) نیکوکاروں کا سرپرست ہے''

کیا سمجھتے ہیں؟ اللہ والے بے سہارا ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی ولی وارث نہیں ہوتا۔ نہیں! ان کا وارث ان کا پروردگار ہوتا ہے، وہ ان کا مددگار ہوتا ہے۔ وہ ان کا نصیر ہوتا ہے اور ان کا وکیل ہوتا ہے۔

رابعہ بصریہ کی سرپرستی:

رابعہ بصریہ کا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے عبادت خانے میں عبادت کرتے کرتے سوگئیں۔ انھوں نے اوپر چادر لی ہوئی تھی۔ ایک چور بیچارہ کہیں سے پھرتا پھراتا ان کے عبادت خانے میں جا پہنچا...... کوئی نشئی قسم کا چور ہوگا...... اس نے اندر جا کر دیکھا کہ کوئی سویا ہوا ہے، صرف ایک چادر پڑی ہوئی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ خیر اس نے کہا یہی چادر ہی سہی۔ جیسے ہی اس نے چادر اٹھائی اور واپس جانے کے لیے مڑا تو اس کے سر کو ایسا چکر آیا کہ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس پر وہ گھبرا گیا اس گھبراہٹ میں چادر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، جب چادر چھوٹی، تو اس کو دروازے کی روشنی نظر آئی تو بیچارہ ویسے ہی بھاگا۔ اس وقت آواز آئی اگر ایک دوست سویا ہو تو دوسرا دوست جاگتا ہے۔ یہاں تو چڑیا کو پر مارنے کی

اجازت نہیں تم کیسے کوئی چیز چرا کر لے جا سکتے ہو۔

﴿ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾

''اور وہ (اللہ تعالیٰ) نیکوکاروں کا سرپرست ہے''

ایک بوڑھی عورت کی سرپرستی:

ایک بوڑھی عورت تھی، اس کا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ اللہ کی شان کہ اس گھر کے ساتھ بادشاہ کا محل تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے اپنے محل کی توسیع کا پروگرام بنا لیا اور اس بڑھیا کے گھر تک توسیع کرنا چاہتے تھے۔ سپاہی اس بڑھیا کے پاس آیا اور اس نے کہا: اماں! یہاں سے چھٹی کرو! بادشاہ نے محل بنانا ہے۔ اس نے کہا: میں تو نہیں جا سکتی۔ سپاہی نے کہا: اماں! تجھے کہیں اور کوٹھڑی بنا کر دیں گے۔ اس نے جواب دیا میں نے پوری زندگی یہاں گزاری ہے، اب تھوڑے ہی دن ہیں مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے، میں یہاں سے نہیں جانا چاہتی۔ اس کے بعد سپاہی بادشاہ کے پاس پوچھنے چلے گئے اور وہ بڑھیا اپنے رشتہ داروں کی کسی تقریب میں شامل ہونے کے لیے چلی گئی۔

ادھر سپاہیوں کو آرڈر ملا کہ تم نے اس سے پوچھا ہی کیوں؟ جاؤ اس کا سب کچھ ہٹا دو اور محل بنا دو۔ اللہ کی شان جب وہ ایک مہینہ کے بعد واپس آئی تو اس کی جگہ پر محل کھڑا تھا۔ کٹیا نظر ہی نہیں آتی تھی۔ وہ حیران ہو کر کبھی ایک سے پوچھتی ہے کبھی دوسرے سے کہ یہاں میرا گھر تھا۔ کسی نے بتایا: اماں آپ تو یہاں نہیں تھی، بادشاہ نے تمہارا گھر ہٹا کر اپنا گھر بنا لیا۔ جب اس نے یہ کہا تو اس بڑھیا نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ! اگر میں یہاں نہیں تھی، تو تو یہاں تھا۔ کہتے ہیں جب ہی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے، بادشاہ کے محل کی چھت نیچے زمین پر آ گئی۔

﴿ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴾

''اور وہ (اللہ تعالیٰ) نیکوکاروں کا سرپرست ہے''

کلمہ گو بندے کے لیے کتنا آسان ہے کہ وہ گناہوں کو چھوڑے اور اللہ کی سرپرستی میں آجائے۔ ہم خواہ مخواہ مصیبتوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ ہم اگر اللہ کے کام کو کریں گے تو اللہ ہمارے کاموں کو سنواریں گے۔ سنیے: قرآن عظیم الشان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا! اور وہ تمہارے قدموں کو جمادے گا''

آج عورتیں کہتی ہیں: جی آج خاوند کا پیار نہیں ملتا۔ بس! نیک بن جاؤ! اللہ تمھارے قدم جمادیں گے۔ کیسے قدم جمیں گے؟ اللہ گھر بھی دیں گے اور گھر والے کا پیار بھی عطا فرمائیں گے۔

آج لوگ کہتے ہیں: جی حضرت! کاروبار نہیں چلتا۔ تم اللہ کے دین کا کام کرو اللہ تعالیٰ تمہارے قدم جمادیں گے۔ کیا مطلب؟ کہ تمہیں دنیا میں بھی عزتیں دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے الٹے کاموں کو سیدھا فرمادیں گے۔

حکمِ خداوندی کی بجا آوری پر سرپرستی:

ایک عرب کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے۔ جمعہ کے دن اس نے جمعہ پڑھنے کی تیاری کی عین اسی وقت اس کو اطلاع ملی کہ ہمارے کھیت کو پانی ملنے کا یہی وقت ہے۔ اب اگر آپ جمعہ پڑھنے کے لیے چلے گئے تو کھیتی کو پانی نہیں ملے گا اور یوں فصل نہیں ہوگی۔ بیوی نے بھی کہا جا کر کھیتی کو دیکھو! اس نے کہا: اللہ نے جمعہ کے لیے بلایا ہے

لہٰذا میں جمعہ پڑھنے کے لیے نکلتا ہوں۔ جب وہ مسجد میں جانے کے لیے گھر سے نکلا تو پتہ چلا کہ ایک اونٹ گم ہو گیا ہے۔ اور اگر دیر ہو گئی تو نہیں ملے گا، اسے جتنا جلدی تلاش کیا جائے اس کے ملنے کے اتنے ہی چانس زیادہ ہیں اور اگر دیر ہو گئی تو نہیں ملے گا۔ اس کے علاوہ کھیتی بھی ختم ہو جائے گی تو ہمارا بنے گا کیا؟ اس نے کہا: میرا اللہ مالک، مجھے فرض پڑھنے دو میں واپس آ کر باقی کام دیکھوں گا۔

چنانچہ اس نے فرض ادا کیے اور جلدی جلدی کھیتوں کی طرف واپس آیا۔ کیا دیکھا کہ کھیتی کو پانی لگ چکا ہے، وہ بڑا حیران ہوا کہ میری کھیتی کو پانی کس نے لگا دیا؟ اتنے میں ساتھ والی زمین کا زمیندار آیا اور کہنے لگا: میں تو اپنی باری پر اپنی زمین کو پانی لگا رہا تھا، آج میرا پانی پورا ہی نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے بڑی کوشش کی آخر میں پتہ چلا کہ میرے کھیت اور آپ کے کھیت کے درمیان والا نکہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اپنی کھیتی کو پانی دیا تو تمہاری کھیتی کو خود بخود پانی لگ گیا۔ اس نے کہا: الحمد للہ اب گھر جاتا ہوں تا کہ اونٹ کا پتہ کروں۔

جب وہ گھر پہنچا تو دیکھا اونٹ صحن میں بندھا ہوا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے بیوی سے پوچھا کہ یہ اونٹ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا: میں تو آٹا گوندھ کر فارغ ہوئی تھی، میں نے باہر کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ باہر نکل کر دیکھا تو یہ اونٹ آگے آگے بھاگ رہا تھا اور کتے اس کا پیچھا کر رہے تھے اور یہ اپنے گھر کی طرف آ رہا تھا۔ جب یہ گھر کے دروازہ پر آیا تو میں نے اس کی رسی پکڑ کر باندھ دیا۔ یہ سن کر اس نے کہا: دیکھو! میں نے اللہ کے حکم کو پورا کیا تو اللہ نے میرے دنیا کے کاموں میں مدد فرما دی۔

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ

''اور وہ (اللہ تعالیٰ) نیکوکاروں کا سرپرست ہے''

ہم اس لائن پر تو آتے ہی نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے کاموں کو خود سنواریں اور خود ہم سے کام سنورتے ہی نہیں۔ دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور پریشان ہوتے پھرتے ہیں۔ آیئے آج کی رات نیکوکاری کا ارادہ کر لیجیے! اور اللہ رب العزت کی سرپرستی میں آجایئے۔

ایک مدرسہ کی سرپرستی:

ہمارے سسر محترم حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے انڈیا میں دہلی کے قریب ایک جگہ مدرسہ بنایا...... یہ تقسیم ہند سے پہلے کی بات ہے...... اللہ کے فضل سے مدرسہ بہت ہی کامیاب رہا۔ اس میں کئی سو طلبا پڑھتے تھے۔

اس کے بعد پارٹیشن ہو گئی۔ تقسیم کے وقت جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی، وہاں مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کو مارتے تھے۔ جہاں سکھوں اور ہندوؤں کی اکثریت تھی، وہاں مسلمانوں کو مارتے تھے۔ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو کہہ دیا کہ آپ سب لوگ دروازے بند کر کے گھروں کے اندر ہی رہیں۔ چنانچہ انہوں نے اندر رہنا شروع کر دیا۔

ایک استاد صاحب کو کوئی کام پڑ گیا، دوسرے گاؤں میں اس نے جانا تھا۔ حضرت نے فرمایا: ٹھیک ہے تم جاؤ! وہ بے چارہ ڈرتا ہوا مدرسہ سے نکلا چھپ چھپا کے جا رہا تھا کہ سامنے ایک سکھ ملا۔ پہلے تو وہ اس کو دیکھ کر گھبرایا، پھر سوچنے لگا یہ بھی ایک ہے میں بھی ایک ہوں، ون ٹو ون اگر آمنے سامنے ہو بھی گئے تو کوئی بات نہیں۔ جب وہ اس کے قریب سے گزرا تو اس نے کہا:

''میاں جی! تسی فوج منگائی اے''

پہلے تو وہ اس کی بات ہی نا سمجھا۔ پھر جب اس نے دوبارا پوچھا تو پھر سمجھ آئی

کہ وہ کیا پوچھ رہا ہے؟ میں نے پوچھا: کیوں؟ آپ کس وجہ سے پوچھ رہے ہیں؟ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ قریب کی بستیوں والے تین مرتبہ تلواریں اور نیزے لے کر تمہارے تمام بچوں کو ختم کرنے کے لیے رات کو آئے۔ جب بھی آتے تھے ہمیں تمھارے مدرسے کے پیچھے سپاہی بندوق لیے کھڑے نظر آتے تھے، ہم تین مرتبہ آئے تینوں مرتبہ فوج کو دیکھا۔

انہوں نے آکر یہ واقعہ حضرت کو سنایا۔ حضرت نے فرمایا:

''ہاں! ایک خدائی فوج تھی جسے اللہ نے ہماری حفاظت کے متعین کر دیا، اس لیے کہ میں اپنے بچوں کی تربیت اس طرح کرتا تھا کہ ان میں کوئی کبیرہ گناہ کرنے والا نہیں تھا۔

﴿وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾

''اور وہ (اللہ تعالیٰ) نیکوکاروں کا سرپرست ہے''

اللہ پر بھروسہ کیجیے:

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم اللہ کے غیر پر تو بھروسہ کر لیتے ہیں لیکن اللہ پر بھروسہ نہیں کرتے۔ کیا ہم اللہ پر بھروسہ نہیں کر سکتے؟

...... باپ پر بھروسہ

...... بڑا بھائی سرپرست بن جائے تو بھروسہ

...... چچا سرپرست بن جائے تو بھروسہ

...... ماموں سرپرست بن جائے تو بھروسہ

او خدا کے بندے: اللہ سرپرست بنتا ہے تو اس پر کیوں بھروسہ نہیں کرتے؟۔

بتوں سے تجھے امیدیں خدا سے ناامیدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

آج ہمیں اس عظیم رات میں سب گناہوں سے سچی توبہ کر کے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ جب ہم اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کریں گے تو پھر دیکھنا اللہ ہمارے کاموں کو کیسے سنوارتا ہے۔

ساری مشکلات کا حل:

دیکھیں! اگر ایک بندہ اربوں پتی ہو اور اس کا بیٹا ہزار روپے تنخواہ والی نوکری ڈھونڈنے کے لیے دوسرے بندے کے پاس جاتا پھرے تو باپ کو تو غصہ آئے گا کہ یہ کیسا بے وقوف ہے۔ میں اربوں پتی بندہ ہوں اور میرا بیٹا ہزار روپے کی نوکری کی خاطر لوگوں کے پاس دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ مجھے یہی مثال سمجھ میں آتی ہے جب کلمہ پڑھنے والا اپنے پروردگار کے خزانوں کے باوجود چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے دھکے کھاتا ہے اور لوگوں کی منتیں کرتا پھرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی کیا سوچیں گے کہ میرا بندہ میرے دروازہ پر کیوں نہیں آتا کیوں نہیں ہاتھ پھیلاتا میں اس بندے کی ساری مشکلات کو آسان کر دیتا۔

شیطان ایک بھنگی کی مانند ہے:

اگر ایک بادشاہ اپنی بیوی سے پیار کرتا ہو اور اسے اس نے محل میں بڑی آسائشوں کے ساتھ رکھا ہو۔ اب ایک بھنگی جو گھروں سے پاخانہ اٹھاتا ہے وہ اس ملکہ کو اپنی طرف مائل کرنے کوشش کرے تو کیا ملکہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گی۔ ہرگز نہیں۔ وہ کہے گی ایک طرف بادشاہ ہے، میں پورے ملک کی فرسٹ لیڈی ہوں، خزانوں کے انبار لگے ہوئے ہیں، خدمت کرنے والیاں بھی ہزاروں ہیں۔ اور ایک طرف یہ بھنگی بدبخت کہاں سے آ گیا۔ اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی کیوں دیکھا؟

بالکل یہی مثال ہے۔ شیطان اس بھنگی کی مانند ہے، اور بادشاہ سے مراد اللہ رب العزت کی ذات ہے اور اللہ کے بندے اور بندیاں اس کے محبوب بندے اور بندیاں ہیں، جن سے اللہ کو محبت ہے۔ اب اگر اللہ رب العزت کی موجودگی میں ہم شیطان بدبخت کی طرف توجہ دیں اور اس کے راستہ پر چلیں تو گویا ہم نے بھنگی کو چن لیا اور اپنے مالک کے در کو چھوڑ دیا۔ حالت تو یہی ہے کہ یہی کرتے پھرتے ہیں۔

نمازوں کے لیے اذانیں ہوتی ہیں مگر مسجد میں آنے کی توفیق نہیں ملتی۔ پورا دن گزر جاتا ہے مگر تلاوت کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔ پھر ہمارا شمار صالحین میں کیسے ہوگا؟

اس کا طریقہ سن لیجیے صالحین میں شامل ہونے کے لیے پچھلے گناہوں سے توبہ، آئندہ نیکوکاری کا پکا وعدہ اور اگر پھر غلطی ہو جائے تو پھر فوراً توبہ کرنا ضروری ہے۔ ہم فرشتے نہیں کہ اب ہم سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر غلطی ہو جائے تو پھر فوراً توبہ کریں گے اور نادم اور شرمندہ ہوں گے۔ اس طرح کرنے سے ہم نیکوکاروں میں شامل ہو جائیں گے اور دنیا کے سارے جھمیلے اللہ تعالیٰ خود ہی آسان فرما دیں گے۔

رزق کے فیصلے کی رات:

آج کی رات رزق کے فیصلے ہونے کی رات ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: آنے والے پورے سال کا بجٹ آج کی رات بنتا ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جب میرے رزق کا معاملہ بھی پیش ہو تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں روزے کے ساتھ ہوں۔ لہٰذا نبی علیہ الصلوۃ والسلام پندرہ شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔ یہ روزہ بھی اسی لیے ہے کہ جب روزے کی حالت میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ رحم فرما دیں گے۔

رزق میں شامل چیزیں:

اچھا رزق میں کیا شامل ہے؟ ذرہ توجہ سے سننا!

دکان، مکان، کاروبار، کپڑے، کھانا پینا، اچھی صحت، اچھی بیوی، اولاد، عزت اور دل کا سارا سکون۔ یہ تمام چیزیں بندے کے رزق میں شامل ہیں۔ اور مسائل زیادہ تر انہی چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ آج ہم اللہ سے معافی مانگ لیں اللہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور اللہ تعالیٰ کو منا لیں تو اللہ تعالیٰ آئندہ سال میں ہمارے لیے رزق کے معاملے میں خیر کے فیصلے فرمادیں گے؟

اللہ تیری اک نگاہ کی بات ہے میری زندگی کا سوال ہے۔

آج اپنے رب کے در پر جھک جایئے! اپنے رب کو منا لیجیے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں:

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو اپنے پرائے سب کو دے کر خوش ہوتا ہے۔ ساری دنیا اپنوں کو دیتی ہے، مولا! تو کتنا کریم ہے کہ تو اپنوں کو بھی دیتا ہے اور دنیا میں اپنے نہ ماننے والے باغی کافروں کو بھی عطا فرما دیتا ہے۔ وہ کتنا کریم ہے کہ دنیا اگر دیتی بھی ہے تو ناراض ہو کر دیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جب بھی دیتے ہیں بندے کو خوش ہو کر عطا فرماتے ہیں۔ اس کے در سے مانگنے کے لیے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔ شیطان نے بھی مانگا رَبِّ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ جب اللہ نے اس کی بھی دعائیں قبول کر لیں تو کیا اللہ تعالیٰ کلمہ گو بندوں کی دعائیں قبول نہیں کرے گا۔ اصل میں ہمیں مانگنا ہی نہیں آتا۔ مانگ کے دیکھو پھر اللہ کی دین کو دیکھو۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے حال
کہ آگ لینے کو جائیں اور پیمبری مل جائے

کسی نے کیا خوب کہا:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہ رو منزل ہی نہیں

طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں۔

آج ذرا اللہ کے نیکوکار بندے بنیے اور پھر اللہ کی مدد کے نظارے کیجیے۔ہم سب کے لیے یہی پیغام ہے کہ ہم نیکوکاری کی زندگی اپنا کر اللہ کی سرپرستی میں آجائیں۔ پروردگار کا وعدہ ہے۔ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ اور وہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے سرپرست ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن میں کتنے پیارے انداز میں فرماتے ہیں:

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾

''کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے''

اس آیت کو پڑھ کر رونا آتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمارہے ہیں کہ کیا اللہ اپنے بندوں کے کافی نہیں ہے؟ او میرے بندو! کیوں دھکے کھاتے پھرتے ہو؟ کیوں پریشان پھر رہے ہو؟ کیوں تمہیں سکون نہیں؟ کیوں تم ہر وقت مصیبت میں گرفتار ہو؟ کلمہ تم نے پڑھ لیا، اللہ کو بڑا مان لیا، کیا اللہ کے خزانے سے تم کچھ نہیں پانا چاہتے؟ پانے کے لیے نیکوکار بننا پڑے گا۔تم اپنے گناہوں کو نہیں چھوڑنا چاہتے تو ایسے میں تو تم میری سرپرستی میں نہیں آسکتے۔میری ذات پاک ہے اور میں بھی پاک دلوں کو پسند کرتا ہوں۔ناپاک دل میری بارگاہ میں کبھی پسند نہیں کیے جاتے۔آج اپنے دلوں کی میل دور کر لیجیے! پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ کتنے مہربان ہیں۔

اس کے لطف اور کرم کا کیا کہنا:

واقعی، اے اللہ! جو آپ کے در کو چھوڑتا ہے اور دنیا کے در پر جاتا ہے تو اسے پھر

در در کے دھکے کھانے پڑتے ہیں۔ دنیا کہتی ہے کہ ”پرائی بکری کو کوئی گھاس نہیں ڈالتا“۔ اللہ! ہم نے خود دیکھا کہ جس کتے کے گلے میں پٹے کا نشان ہو اس کو کوئی روٹی نہیں ڈالتا، ہر بندہ کہتا ہے: یہ جا کر اپنے مالک کے گھر کھائے گا۔ مولا ہم در در پہ گئے، ہمیں ہر طرف سے ٹھوکریں ملیں، کہیں بھی ہمارا مقصد پورا نہ ہوا، مولا! ہم آپ کے بندے ہیں آپ کے در سے کھانے والے ہیں، آج اس نسبت کی لاج رکھ لیجیے! ہماری پریشانیوں کو دور فرما دیجیے! ربِ کریم! ہم نے آپ کی عظمتوں کو نہ پہچانا، مولا! ہم آج کی اس مبارک رات میں سچی توبہ کرتے ہیں اور آپ سے یہ فریاد کرتے ہیں کہ آپ مان جایئے۔ آپ تو مانگنے والے کو امید سے زیادہ دیتے ہیں، کہنے والے نے کہا تھا: ؎

ٹوٹے رشتے وہ جوڑ دیتا ہے
بات رب پہ جو چھوڑ دیتا ہے
اس کے لطف و کرم کا کیا کہنا
لاکھ مانگو کروڑ دیتا ہے

وہ اتنا دینے والا پروردگار ہے، اس سے پیٹھ پھیر کر ہم اوروں کی طرف جاتے پھرتے۔ اے پروردگار! آپ کی عظمت اور شان کا تقاضا یہ تھا کہ اگر کوئی بندہ آپ کے دروازے سے پیٹھ پھیر کر واپس جاتا تو اس کو اس کی پشت میں لات ماری جاتی اور دروازے کو بند کر دیا جاتا اور کہہ دیا جاتا: اے منحوس! اے بد بخت! آج کے بعد تیرے لیے یہ دروازہ بند ہے۔ مگر اللہ! آپ تو ایسا نہیں کرتے، دروازہ کھلا رکھتے ہیں۔ شاید میرا بندہ، دن میں پریشان ہو کر آ جائے، رات کی تاریکیوں میں اٹھ کر آ جائے۔ اللہ! آپ سوتے بھی نہیں، آپ کو اونگھ بھی نہیں آتی۔ اس لیے کہ مانگنے والا مانگے تو اپنے پروردگار کو کہیں سوتا ہوا نہ پائے۔ اسی لیے آپ نیند سے پاک ہیں۔ ہر

وقت اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ رب کریم! ہم پر مہربانی فرما دیجیے! آج اس رات میں ہماری مشکلات کو آسان کر دیجیے! ہم نے بہت دھکے کھا لیے، اب مزید دھکے کھانے کی گنجائش ہمارے پاس نہیں رہی۔ ہمیں آج بات سمجھ میں آ گئی کہ غلطی ہماری تھی۔ ہم اپنا قصور مانتے ہیں اور آپ کو مناتے ہیں۔

غیر اللہ کے در پر جانے کی شرمساری:

اے اللہ ہمارے سب گناہ معاف کر دیجیے۔ آئندہ نیکوکاری کی زندگی عطا فرما دیجیے! اے اللہ! سچی بات یہی ہے کہ ہمیں غیر کے در پر جاتے ہوئے شرم بھی آتی ہے، بندے آپ کے ہوں اور درِ غیر پر چلے جائیں، یہ دل بھی گوارہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہنے والے نے کہا تھا:

تنگ دستی کے جو عالم ہیں میں گھبراتا ہوں
پر درِ غیر پہ جاتے ہوئے کتراتا ہوں
ہاتھ پھیلانے میں محتاج کو غیرت کیسی
شرم آتی ہے بندہ تیرا کہلاتا ہوں

اے مولیٰ! بندہ آپ کا کہلاؤں اور درِ غیر پر جا کے ہاتھ پھیلاؤں، اللہ! مجھے اس سے شرم آتی ہے۔

تمہی سے مانگیں گے تم ہی دو گے
تمہارے در سے ہی لو لگی ہے

آج کی یہ برکت والی رات ہے۔ اے اللہ! ایک نظر ہم مسکینوں پر بھی ڈال دیجیے۔ گنہگاروں پر ڈال دیجیے۔ اور ہمارے لیے آئندہ زندگی میں خیر کے فیصلے فرما دیجیے۔ اللہ! ضائع ہونے سے بچا لیجیے۔ شیطان کا لقمہ ہونے سے بچا لیجیے۔ اللہ!

ہمارے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمادیجیے۔ اے اللہ! ہم آپ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں، ہمارے اس دامن کو اپنی رحمت کے ساتھ بھر دیجیے۔ ہمیں خوشیوں نیکیوں اور برکتوں کے ساتھ واپس لوٹا دیجیے۔

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾

فضائلِ ذکر

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم

اقتباس

زبان کا ذکر، اللہ کی تعریف کرنا ہے۔آپ غور کریں کہ آج ماں اپنے بیٹے کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی۔ بیوی خاوند کی تعریف کرتے نہیں تھکتی۔ دوست اپنے دوست کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتا۔اسی طرح جس مومن کو اپنے اللہ سے سچی محبت ہوتی ہے وہ اللہ کی تعریفیں کرتا نہیں تھکتا۔اس کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے: ؎

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
ورنہ پھر ہم سے گفتگو نہ کرے

اے اللہ! یا تو ہر کوئی تیرا ہی تذکرہ کرے، اگر کوئی تیرا تذکرہ نہیں کرتا تو پھر ہم سے بھی گفتگو نہ کرے۔مومن کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

فضائل ذکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي مَقَامٍ اٰخَر
وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○
(احزاب:۳۵)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ذکر کرنے والا زندہ کی مانند ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا

''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔''

مچھلی کے لیے جسمانی زندگی پانی کے ساتھ وابستہ ہے۔ مچھلی پانی میں رہے تو زندہ رہتی ہے۔ اگر اسے پانی سے باہر نکال دو تو تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ اسی طرح مومن کی روحانی زندگی اللہ کے ذکر کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب تک ذکر کرتا رہے گا

وہ روحانی طور پر زندہ رہے گا اور جب وہ غافل ہو جائے گا، اس کو روحانی طور پر موت آ جائے گی۔ اس پر دلیل ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا فرمان ہے۔ فرمایا:

((مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَایَذْکُرُ رَبَّہٗ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَ الْمَیِّتِ))

''مثال اس شخص کی جو ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مانند ہے۔''

ذکر کے معانی:

ذکر کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے:۔

☆......ایک معنی اللہ کا قرآن۔ جیسے فرمایا:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ﴾

''ہم نے ہی اس نصیحت نامے کو نازل کیا اور اس کی حفاظت کے ہم ہی ذمہ دار ہیں۔''

☆......قیامت کے لیے بھی قرآن مجید میں ذکر کا لفظ استعمال ہوا۔

☆......ذکر کا تیسرا معنی ہے، یاد اور تذکرہ۔ جیسے ہم بات کرتے ہیں کہ فلاں بندے کا تذکرہ ہوا۔ اسے یاد کہتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں جو یہ فرمایا کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اس کا مطلب یہی ہے کہ ہم ہر وقت اپنے دل میں اللہ رب العزت کا دھیان رکھیں۔

تمام اعمال کا مقصود:

تمام اعمال کا مقصود اللہ کی یاد ہے۔ ان اعمال میں سے سب سے اعلیٰ عمل نماز

ہے۔ یہ افضل الاعمال ہے۔ اس نماز کا اپنا مقصود کیا ہے؟ فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ

''نماز قائم کرو میری یاد کے لیے۔''

لہٰذا جس نماز میں اللہ کی یاد نہیں ہوتی وہ پھٹے کپڑے کی طرح پڑھنے والے کے منہ پر ماردی جاتی ہے کہ ہمیں تیری اس نماز کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ہمارا دھیان نماز میں بھی اللہ ہی کی طرف رہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہماری زندگی کا زیادہ تر وقت اس انداز سے گزرے کہ ہمارے ہاتھ کام کاج میں مصروف ہوں اور دل اللہ کی یاد میں مصروف ہو۔ یہی زندگی ہے، ورنہ شرمندگی ہے۔

بندوں کا ذکر...... فرشتوں کی محفل میں!!!

حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْہُ

''میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، میں بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے لوگوں کے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں ان سے بہتر فرشتوں کے مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں۔''

اب سوچیے کہ بندے کے لیے یہ کتنی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اس کے تذکرے فرشتوں کی محفل میں ہو رہے ہوں۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ کا مطلب:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرمایا: ''جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی

اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔'' اسی طرح کا ایک اور مضمون بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُم

''تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا۔'' ''تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا، اس کا کیا معنی ہے؟

اس کا یہ معنی نہیں کہ انسان کہے: اللہ اللہ اللہ، اور اللہ تعالیٰ فرمائیں: بندے، بندے، بندے۔ بلکہ اس کا معنی سمجھنے کے لیے ایک مثال سمجھیے: اگر کسی بچے کو کہیں کوئی ملازمت ملنی ہے اور وہ افسر جس نے اس کا انٹرویو لینا ہے وہ اس کے والد کا دوست ہے۔ تو اس کا والد اپنے دوست کو فون کرتا ہے کہ میرا بچہ انٹرویو کے لیے آئے گا، آپ ذرا اس کا خیال رکھیے گا، آپ اسے یاد رکھیے گا۔ پھر جس دن بچے نے انٹرویو کے لیے جانا ہوتا ہے تو وہ اسے دوبارہ Remind (یاددہانی) کرواتا ہے کہ جی میرا بچہ آئے گا، ذرا اس کا خیال رکھنا۔ اب باپ جو یہ کہہ رہا ہے نا، کہ میرے بچے کا خیال رکھنا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ میرے بچے کا نام لیتے رہیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ فیصلے کرنے لگیں تو میرے بچے کے حق میں فیصلہ کیجیے۔

چنانچہ بندے کا اللہ کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے احکام پر عمل کرے اور اللہ کا بندے کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کے حق میں رحمت کے فیصلے کر دیں۔ تو ''تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا'' کا مطلب یہ بنا کہ

......اے میرے بندو! تم مجھے اطاعت کے ساتھ یاد کرو گے تو میں تمہیں مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔

......اے میرے بندو! تم مجھے فرش پر یاد کرو گے تو میں پروردگار تمہیں عرش پہ یاد کروں گا۔

کیا ہی Directly Propotional بات کہی گئی۔لہٰذا اب یہ بندے کے اپنے اختیار میں ہے کہ جتنا اللہ کو یاد کرے اتنا ہی اللہ کا مقرب بنے۔

ذکر میں فنائیت کیسے؟

اس عمل کو سیکھنا کہ لیٹے، بیٹھے، چلتے پھرتے، ہر وقت انسان کو اللہ کا دھیان رہے، یہ انتہائی ضروری ہے۔اور یہ سیکھے بغیر نہیں آتا۔

زندگی میں کتنی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن کو ہم بھلانا بھی چاہتے ہیں مگر نہیں بھول پاتے۔ان کی چھاپ ذہن میں اس طرح لگ جاتی ہے، وہ میموری میں اس طرح پرنٹ ہو جاتی ہیں کہ ذہن سے نکلتی ہی نہیں۔

روز کہتا ہوں بھول جاؤں انہیں
روز یہ بات بھول جاتا ہوں

اسی طرح کہنے والے نے کہا:

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب

اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو نہ چاہتے ہوئے بھی یاد آتی ہیں۔انسان اللہ کے ذکر والے اس کام کو بھی اس نقطے تک پہنچائے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اللہ یاد آتا رہے۔ایسی کیفیت ہونی چاہیے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''کثرتِ ذکر سے انسان ایک ایسے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے۔''

ذرا غور کریں کہ شریعت نے جو باقی احکام بتائے ہیں ان کے کرنے کی ایک حد متعین ہے۔مثلاً

......نماز، دن میں پانچ مرتبہ
......حج، زندگی میں ایک دفعہ

......روزے، ہر سال میں ایک مہینہ

لیکن جب ذکر کا معاملہ آیا تو فرمایا:

اُذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا

''اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو''

اس کی کوئی حد نہیں بتائی۔ذکر کے اثرات کثرت کے ساتھ ہی مرتب ہوتے ہیں۔اس سے پہلے مرتب نہیں ہوتے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ آپ پانی کو آگ کے اوپر ایک منٹ کے لیے چڑھا دیں تو پانی بوائل نہیں ہوتا، وہ جیسے تھا ویسے ہی نظر آتا ہے، نہ بخارات نظر آتے ہیں، نہ کھولتا نظر آتا ہے، Heat (حرارت) کے آثار ہی نظر نہیں آتے۔بھئی! اس کی حرارت کی ایک حد ہے۔اگر اس حد تک آگ پر رہے گا تو وہ حرارت بڑھتے بڑھتے ایک فلیش پوائنٹ پر پہنچ جائے گی۔جب حرارت فلیش پوائنٹ پر پہنچ جائے گی تو پانی ابلنا شروع کر دے گا، آپ اس وقت چولہا بند بھی کر دیں تو وہ پانی ابلتا رہے گا۔اسی طرح ذکر میں فنائیت کے لیے ایک حد متعین ہے۔جب ذکر کرتے کرتے اس نقطے تک پہنچا دیں گے تو اللہ رب العزت کی ایسی یاد دل میں آئے گی کہ بھولنا بھی چاہیں گے تو بھلا نہیں سکیں گے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس بندے کو ذکر میں فنا حاصل ہو جائے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر اس کو ایک ہزار سال کی عمر بھی دے دی جائے اور یہ کہا جائے کہ اس ایک ہزار سال میں تم اللہ کو بھول کر دکھاؤ تو وہ اللہ کو نہیں بھول سکتا۔''

کاش! ہم بھی ذکر کو اس نقطے تک پہنچا دیتے جہاں انسان اللہ کو بھول بھی نہیں سکتا۔

نفس و شیطان کے شر سے بچنے کا طریقہ:

انسان کے پاس اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے جو سب سے بہترین ہتھیار ہے، وہ اللہ کا ذکر ہے۔ شیطان سے بچنے کے لیے اس سے بڑا ہتھیار کوئی اور نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب کسی فوج کا آدمی کسی دشمن پر غالب آتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہینڈز اپ! یہ ہینڈز اپ کہنے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں کوئی نقصان دہ چیز ہے تو وہ گر جائے، چھوٹ جائے اور پتہ چل جائے کہ اس کے ہاتھ خالی ہیں۔ گویا سب سے پہلے وہ اس کو اس کے ہتھیار سے محروم کرتا ہے کہ کاؤنٹر اٹیک (جوابی وار) نہ کر سکے۔ اسی طرح جب انسان پر شیطان غالب آتا ہے تو سب سے پہلا کام یہ کرتا ہے کہ بندے کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ﴾

''شیطان ان کے اوپر غالب آ گیا اور ان کو اللہ کی یاد بھلا دی''

انسان کے لیے سیدھے راستے سے بھٹکنے کا سب سے پہلا قدم ''اللہ کو بھول جانا'' ہے۔ باقی گناہ اس کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ انگریزی میں کہتے ہیں:

Nip the evil in the bud.

''برائی کو ابتدا ہی سے روک دو۔''

چنانچہ اگر ہم گناہوں سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم غافل نہ ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہے گا تو انسان گناہوں کی طرف قدم ہی نہیں اٹھائے گا۔

جب انسان اللہ کو یاد کرنے لگ جاتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾

''متقی لوگوں پر جب شیطان کی ایک جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو بصیرت عطا فرما دیتے ہیں۔''

یوں انسان شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچ جاتا ہے۔تو وساوس نفسانی اور وساوس شیطانی،ان دونوں سے جان چھڑانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔

ڈپریشن سے بچنے کا آسان طریقہ:

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَایَقْعُدُقَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَہ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ

''جو قوم اللہ کی یاد کے لیے بیٹھتی ہے اس کو ملائکہ گھیر لیتے ہیں،اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ اس کے دل کے اندر سکینہ اور اطمینان ڈال دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب

''جان لو!اللہ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔''

آج کیوں ڈپریشن زیادہ ہے؟فرسٹریشن اور اینگزائٹی (بے چینی اور اضطراب) کیوں ہے؟ان کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دل اللہ کی یاد سے خالی ہیں۔جس کو اللہ کی یاد نصیب ہوگئی،اس کا ڈپریشن کے ساتھ کیا واسطہ؟جس کا خدا سے واسطہ جڑ جائے اس کا پھر ڈپریشن سے کیا واسطہ؟

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

اللہ تعالیٰ کی یاد اطمینان کا سبب بن جاتی ہے۔

اصلی ذکر یہ ہے......!!!

فاذکرونی اذکروکم کے بارے میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اَصْلُ الذِّکْرِ التَّنَبُّهُ بِالْقَلْبِ لِلْمَذْکُوْرِ وَ التَّیَقُّظُ لَهٗ

''اصلی ذکر یہ ہے کہ دل میں مذکور کی یاد رہے (دھیان رہے) اور بیداری رہے۔''

یعنی جس کا ذکر کر رہے ہیں دل میں اس کی یاد بھی رہے اور بیداری بھی رہے۔ اصل ذکر تو یہی ہے کہ دل میں بیداری ہو، لیکن انسان جو ذکر زبان سے کرتا ہے اسے ذکر کہنے کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ اس کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ سُمِّیَ الذِّکْرُ بِاللِّسَانِ ذِکْرًا لِاَنَّهٗ دَلَالَةٌ عَلَی الذِّکْرِ الْقَلْبِیْ

''اور زبان کے ذکر کو جو ذکر کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کا ذکر بھی دل کے ذکر پر دلالت کر رہا ہوتا ہے۔''

بھئی! دل میں بات ہوتی ہے تو زبان پر تذکرہ آتا ہے نا، اس لیے اس کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ ورنہ اصل ذکر، ذکرِ قلبی ہی ہے۔ اور یہ ذکرِ جہر سے ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

ہم روزمرہ زندگی میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک بیٹا اگر بیرون ملک سفر پر گیا ہوا ہے اور کئی مہینوں کے بعد اپنی والدہ کو فون کرتا ہے تو اسے والدہ کہتی ہے کہ

بیٹا! میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے۔ آج تک کسی ماں نے یہ نہ کہا: بیٹا! میری زبان تجھے بہت یاد کرتی ہے۔ اس لیے کہ ماں سمجھتی ہے کہ زبان سے تو فقط اظہار ہوتا ہے، اصل تو دل میں یاد ہوتی ہے۔ جس طرح بیٹے کی یاد ماں کے دل میں ہوتی ہے، اسی طرح بندے کے دل میں اپنے پروردگار کی یاد ہوتی ہے۔

ذکر انسان کے دل سے گناہوں کے اثرات کو دھو دیتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ

''ہر چیز کے لیے ایک پالش ہوتی ہے اور دلوں کو چمکانے کی پالش اللہ کی یاد ہے''

ہر چیز کو چمکانے کے لیے ایک پالش ہوتی ہے۔ یہ فرنیچر کو چمکانے کی پالش ہے، یہ گلاس کو چمکانے کی پالش ہے، یہ لوہے کو چمکانے کی پالش ہے۔ اگر کوئی یہ پوچھے کہ دلوں کو چمکانے کے لیے پالش کون سی ہے؟ تو فرمایا: اللہ کی یاد دلوں کے لیے پالش ہے۔

وہ آگے فرماتے ہیں:

اَلْغَفْلَةُ نَوْمُ الْقَلْبِ وَالنَّائِمُ لَا يَذْكُرُ

''غفلت دل کے لیے نیند کی مانند ہے اور سویا ہوا ذکر نہیں کر رہا ہوتا۔''

ہمیں اللہ کا ذکر اتنا کرنا چاہیے کہ لوگ ہمیں پاگل کہنا شروع کر دیں۔ چنانچہ فرمایا:

حَتّٰى يُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ

جب ہم اس طرح کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کریں گے تو پھر اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

مراقبہ کرنے کے آداب:

ایک یہ ہوتا ہے کہ انسان لیٹے بیٹھے، چلتے پھرتے دل میں اللہ کو یاد کرے، اور ایک ہوتا ہے، بیٹھ کر مراقبہ کرنا۔ بیٹھ مراقبہ کرنے کے آداب ہوتے ہیں۔ مثلاً:

☆......اَنْ یَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ۔

جب مراقبہ کرنے کے لیے بیٹھے تو قبلے کی طرف رخ کر کے بیٹھے۔ قبلے کی طرف رخ کر کے بیٹھنا انسان کے لیے رحمت کا سبب بنتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے: میرے دو طالب علم تھے۔ ان میں سے ایک ہمیشہ قبلے کی طرف رخ کر کے بیٹھتا تھا اور دوسرا کلاس میں اس طرح بیٹھتا تھا کہ اس کی پیٹھ قبلہ کی طرف ہوتی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں برابر کے ذہین تھے، مگر میں نے دیکھا کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھتا تھا اس نے قرآن مجید بہت جلدی یاد کر لیا۔

☆......اَنْ یَّکُوْنَ الْمَکَانُ الَّذِیْ یَذْکُرُ اللّٰهُ فِیْهِ نَظِیْفًا خَالِیًا۔

جس جگہ پر بیٹھ کر انسان نے ذکر کرنا ہو، وہ صاف ستھری ہونی چاہیے۔

☆......اَنْ یَّکُوْنَ فَمُهٗ نَظِیْفًا وَ قَوْلُهٗ نَظِیْفًا۔

اس کا منہ بھی صاف ہونا چاہیے اور اس کی بات بھی صاف ہونی چاہیے۔

☆......اَنْ یَّکُوْنَ فِیْ حَالِ ذِکْرِهٖ خَاشِعًا لِلّٰهِ مُعَظِّمًا لِجَلَالِهٖ

یہ ذکر کرنے والا اس طرح ذکر کرے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی ہو۔ اس حال میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے۔ پھر انسان کو ذکر میں لذت ملے گی۔

گناہوں کا کاربن کیسے دور ہو؟

دیکھیں! بجلی کی تار پر مٹی یا کوئی اور چیز لگی ہوئی ہو تو جوڑ بھی لگا دیا جائے تو کرنٹ آگے نہیں جائے گا۔ الیکٹریشن کہے گا کہ اصل میں اوپر مٹی لگی ہوئی ہے اس

لیے تار کا جوڑ ٹھیک نہیں لگ رہا۔ چنانچہ وہ اس کو کھول کر اسٹارٹر کے کاربن کو صاف کر دیتا ہے۔ جب کاربن اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے تو وہی موٹر چلنے لگ جاتی ہے۔ اگر الیکٹریشن سے پوچھا جائے کہ بتائیں! اب کیسے چلی؟ تو وہ کہتا ہے کہ اب کاربن صاف کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح انسان کے دل پر گناہوں کا کاربن یعنی کالا پن آ جاتا ہے۔ جب وہ ذکر کے ذریعے اس کاربن کو دور کرتا ہے تو اس کا جوڑ ایسا جڑ جاتا ہے کہ روحانیت کا نور اس میں سے آگے پاس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

تین چیزوں میں لذت ڈھونڈنے کی تلقین:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَفَقَّدُوْا الْحَلَاوَةَ فِي ثَلَاثَةِ اَشْيَاءِ

''تم تین چیزوں میں لذت ڈھونڈو۔''

یاد رکھیں! لذت اس وقت ملتی ہے کہ جب لذت پانے والے اعضا ٹھیک ہوں۔ فرض کریں ایک آدمی نزلہ زکام کا مریض ہے، اس کے سامنے عنبر، کستوری یا دنیا کی قیمتی ترین خوشبو رکھو تو اس کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔ اگر اسے کہیں کہ یہ اتنی اچھی خوشبو ہے تو وہ کہے گا: مجھے پتہ ہی نہیں چل رہا۔ اس کو کیوں نہیں پتہ چلتا؟ اس لیے کہ اس کو نزلہ زکام کی بیماری ہے۔ اسی طرح جس انسان کو گناہوں کی بیماری ہوتی ہے اس کو اللہ کے ذکر کی لذت نصیب ہی نہیں ہو سکتی۔ لذت حاصل کرنے کے لیے گناہوں کو چھوڑنا ہوگا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم تین چیزوں میں لذت ڈھونڈو۔

فِي الصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَفِي الذِّكْرِ

''نماز میں، قرآن مجید کی تلاوت میں اور اللہ کی یاد میں (لذت ڈھونڈو)۔''

جو لوگ صحیح آداب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں ان کو یہ نعمت نصیب ہو

جاتی ہے۔

کیا حلاوت نہ ملنے پر ذکر کرنا ضروری ہے؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن کو یہ حلاوت والی نعمت نہیں ملتی، کیا وہ ذکر نہ کریں؟ نہیں کرتے رہیں۔ شروع تو یہیں سے کرنا ہوگا۔ چنانچہ روایت ہے:

سُئِلَ اَبُوْ عُثْمَانَ فَقِيْلَ لَهٗ: نَذْكُرُ اللّٰهَ وَلَا نَجِدُ فِيْ قُلُوْبِنَا حَلَاوَةً

''ابوعثمان سے کسی نے یہ بات پوچھی: ہم اللہ کو یاد کرتے ہیں لیکن ہمیں دل میں کوئی حلاوت محسوس نہیں ہوتی۔''

انہوں نے آگے سے جواب دیا:

اَحْمِدُوْا اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى اَنْ زَيَّنَ جَارِحَةً مِنْ جَوَارِحِكُمْ بِطَاعَتِهٖ

''تم اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو کہ اس نے تمہارے جسم کے اعضا میں سے ایک عضو کو اپنی اطاعت میں لگا دیا ہے۔''

یہی سوچ لیا کرے کہ جتنی دیر بیٹھ کر میں ذکر کرتا ہوں اتنی دیر گناہوں سے تو بچتا ہوں۔ میں نیکی ہی کا تو کام کر رہا ہوتا ہوں۔ اگر حلاوت نہیں ملتی تو کیا ہوا؟ وقت کے ساتھ ساتھ یہ نعمت بھی مل جائے گی۔

ذکر سات طرح پر ہوتا ہے:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض عارفین کا یہ قول نقل کیا:

اَلذِّكْرُ عَلٰى سَبْعَةِ اَنْحَاءٍ

''ذکر سات طرح پر ہوتا ہے۔''

(۱)......فَذِكْرُ الْعَيْنَيْنِ بِالْبُكَاءِ۔

آنکھوں کا ذکر رونے کے ذریعے ہوتا ہے۔ جب آنکھ اللہ کی یاد میں روتی ہے

اور گناہوں کی وجہ سے شرمندہ ہو کر روتی ہے تو آنکھ کا یہ رونا آنکھ کا ذکر ہی ہے...... اللہ اکبر...... یہ بھی عجیب نعمت ہے۔ واقعی! جب محبت ہوتی ہے تو انسان اس حد تک محسوس کرتا ہے کہ اس کا دل رونے کو چاہتا ہے۔ کسی نے عجیب مضمون باندھا ؎

آیا ہی تھا خیال کہ آنکھیں برس پڑیں
آنسو تمہاری یاد کے کتنا قریب تھے

محبوب کی یاد آئی اور بس! آنکھوں سے آنسو آ گئے۔

(۲)...... ''وَذِکْرُ الْاُذُنَیْنِ بِالْاِصْغَاءِ

کانوں کا ذکر، اللہ کی بات کو توجہ کے ساتھ سننا ہے۔ یہ بھی محبت کی دلیل ہوتی ہے کہ جب محبوب کی بات ہو تو انسان کان لگا کے سنے کہ کیا بات کر رہے ہیں۔

(۳)...... ''وَ ذِکْرُ اللِّسَانِ بِالثَّنَاءِ''

زبان کا ذکر، اللہ کی تعریف کرنا ہے۔ آپ غور کریں کہ آج ماں اپنے بیٹے کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتی۔ بیوی خاوند کی تعریف کرتے نہیں تھکتی۔ دوست اپنے دوست کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتا۔ اسی طرح جس مومن کو اپنے اللہ سے سچی محبت ہوتی ہے وہ اللہ کی تعریفیں کرتا نہیں تھکتا۔ اس کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے: ؎

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
ورنہ پھر ہم سے گفتگو نہ کرے

اے اللہ! یا تو ہر کوئی تیرا ہی تذکرہ کرے، اگر کوئی تیرا تذکرہ نہیں کرتا تو پھر ہم سے بھی گفتگو نہ کرے۔ مومن کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

(۴)...... ''وَذِکْرُ الْیَدَیْنِ بِالْعَطَاءِ''

ہاتھوں کا ذکر یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں خوب خرچ کرے۔ وہ انسان انتہائی خوش نصیب ہے جسے اللہ رب العزت کھلی روزی دے اور وہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ

اللہ کے راستے میں لگائے۔

(۵)......"وَ ذِكْرُ الْبَدَنِ بِالْوَفَاءِ"۔

بدن کا ذکر یہ ہے کہ انسان اللہ سے وفا کرے۔ اصول یہی ہے کہ جس کا کھائیے اسی کے گیت گائیے۔ ہم اللہ کا دیا کھاتے ہیں تو اللہ ہی کے گیت گائیں۔ کسی پنجابی شاعر نے کہا:

کنگ پیتے ہیں ، ساگ کھاتے ہیں
اللہ سائیں کے گیت گاتے ہیں

بندے کی بھی یہی کیفیت ہونی چاہیے۔ رب کا دیا کھاتا ہے تو اسی کو وہ یاد کرے۔

(۶)......"وَ ذِكْرُ الْقَلْبِ بِالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ"۔

دل کا ذکر یہ ہے کہ انسان کے دل میں کبھی اللہ سے امید ہو اور کبھی اللہ کا خوف ہو۔ یہ کیفیتیں ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ جیسے آسمان کی حالت ہے۔ کبھی بادل ہوتے ہیں اور کبھی مطلع بالکل صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن کے دل میں کبھی اللہ سے امید لگی ہوتی ہے اور کبھی اس پر اللہ کا خوف غالب ہوتا ہے۔

(۷)......"وَ ذِكْرُ الرُّوْحِ بِالتَّسْلِيْمِ وَالرِّضَاءِ"۔

اور روح کا ذکر یہ ہے کہ انسان اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہو جائے۔

تسلیم و رضا......ایک نعمتِ بیش بہا:

یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان اپنے مقدر پر راضی ہو جائے۔ آج تو ہم مقدر کے ساتھ کشتی کرتے پھرتے ہیں۔ یہ نہیں ملا، یہ نہیں ملا، اور یہ نہیں ملا۔ عجیب حالت یہ ہے کہ ہم دنیا کے معاملے میں اپنے سے اوپر والوں کو دیکھتے ہیں۔ کہتے ہیں: مجھے صرف موٹر سائیکل ملی اور فلاں کو تو گاڑی مل گئی۔ مجھے یہ چھوٹی گاڑی ملی ہے اور اسے

بڑی گاڑی مل گئی ہے۔ دنیا کے معاملے میں ہماری نظر اوپر والوں پر ہی رہتی ہے۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ ہر وقت دل میں گھبراہٹ رہتی ہے۔ ورنہ اگر انسان دل میں سوچے تو واقعی اللہ رب العزت نے ہمیں الحمد للہ لاکھوں انسانوں سے بہتر رزق عطا فرمایا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو دن میں تین دفعہ کھاتے ہیں، یا دو دفعہ کھاتے ہیں یا صرف ایک ہی دفعہ کھا لیتے ہیں۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ایک دفعہ بھی نہیں کھا پاتے۔

ہمیں ایک دفعہ بنگلہ دیش جانے کا موقع ملا۔ ہم بیان کے لیے ایک آبادی میں گئے تو انہوں نے بتایا کہ یہاں کے اکثر لوگ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک جوتا نہیں پہنتے۔ پوری زندگی میں ان کو جوتا پہننے کا تجربہ ہیں نہیں ہوتا۔ بس ننگے پاؤں ہی پھرتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ چھوٹے بڑے، مرد عورت سب ننگے پاؤں پھر رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس جوتا پہننے کے وسائل ہی نہیں تھے۔ یہ معاملہ دیکھ کر حیران ہو گئے، یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے کہ انہوں نے پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی جوتا پہن کر نہیں دیکھا......!! یہ لوگ اسی دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کریں تو دل میں اللہ رب العزت کی عظمت آتی ہے اور انسان بے اختیار ہو کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ میرے مالک! تو نے میرے استحقاق کے بغیر مجھے اپنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ سوچیں تو سہی!

......اگر اللہ تعالیٰ بینائی نہ دیتے تو کیا ہوتا؟

......گویائی نہ دیتے تو کیا ہوتا؟

......سماعت نہ دیتے تو کیا ہوتا؟

......اللہ تعالیٰ خوب صورت جسم دے کر مجنون (پاگل) بنا دیتے تو کیا ہوتا؟

سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتنی مہربانی فرمائی کہ بن مانگے یہ نعمتیں عطا

فرمائیں۔ ہم تو ان نعمتوں کا شکر بھی ادا نہیں کرتے۔ اللہ نے آنکھیں تو اس لیے دی تھیں کہ

......میرے قرآن کو دیکھو

......میرے گھر کو دیکھو

......اللہ والوں کے چہروں کو دیکھو

......ماں باپ کے چہروں پر محبت کی نظر ڈالو

لیکن ہم ان آنکھوں کو غیر محرم کے دیکھنے میں استعمال کرتے پھرتے ہیں۔ گویا ہم اللہ کی نعمتوں کو غلط طور پر استعمال کر رہے ہیں۔

جنتی اور جہنمی لوگوں کی قلبی کیفیت:

ابنِ تیمیہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''جس بندے کو اللہ نے آخرت میں جنت دینی ہوتی ہے، دنیا میں اس کے دل کی کیفیت ایسی بنا دیتے ہیں کہ وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے۔''

اس سے جب بھی پوچھو تو وہ کہتا ہے: جی! میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ آگے فرماتے ہیں:

''اور جس بندے کو اللہ نے جہنم میں بھیجنا ہوتا ہے، دنیا میں اس کے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہر وقت اس کو خدا پر اعتراض ہوتا ہے۔''

یہ نہیں ہوا، وہ نہیں ہوا، مجھے اولاد نہیں ملی، مجھے فلاں چیز نہیں ملی۔ جس کی زبان سے ہر وقت اعتراض سنیں تو سمجھ لیں کہ اس کے دل کی حالت وہی ہے۔

ایک دفعہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال پوچھا:

''ہمیں کیسے پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ ہم پہ راضی ہے؟''

بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور انہوں نے عرض کی:

اے اللہ! بنی اسرائیل والے پوچھتے ہیں کہ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ ہم پہ راضی ہے...... کوئی لٹمس ٹیسٹ ہونا چاہیے جس سے ہمیں پتہ چلے...... رب کریم نے جواب دیا: اے میرے کلیم! یہ بہت آسان ہے۔ بنی اسرائیل والوں کو بتا دیجیے: ''یہ اپنے دلوں میں جھانک کر دیکھیں، اگر یہ اپنے دل میں مجھ سے راضی ہیں تو میں پروردگار ان سے راضی ہوں اور اگر یہ مجھ سے خفا ہیں تو میں پروردگار ان سے خفا ہوں۔''

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دل میں اپنے پروردگار سے راضی رہیں۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک چھوٹی سی دعا سکھائی۔

رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا

''میں اللہ سے راضی ہوں کہ وہ میرا پرودگار ہے، میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہوں کہ وہ میرے نبی ہیں اور میں اسلام سے راضی ہوں کہ وہ میرا دین ہے۔''

عذابِ الٰہی سے بچنے کا بہترین عمل:

حدیث پاک میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

مَا مِنْ شَیْءٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی

''اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے ذکر سے بہتر عمل اور کوئی ہے ہی نہیں۔''

جو انسان چاہے کہ میں اللہ کے عذاب سے بچ جاؤں گا وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔ اس عذاب کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

......قحط کا عذاب

......مہنگائی کا عذاب

......کہیں بارشوں کے کم ہونے کا عذاب

.....کہیں بارشوں کے زیادہ ہونے کا عذاب

.....بیماریوں کا عذاب

.....کاروبار ٹھپ ہونے کا عذاب

اگر ہم چاہیں کہ ہم اللہ کے عذاب سے بچ جائیں تو ان سب کا ایک ہی علاج ہے۔اور وہ ہے ذکر اللہ۔ہم آج اپنے دل کا قبلہ ٹھیک کرلیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر،اپنی توجہ اپنے رب کی طرف کرلیں تو آج بھی اللہ کی مدد اور اللہ کی رحمت یقیناً اتر سکتی ہے۔

اللہ کے محبوب بندے کون؟

ایک حدیث مبارکہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

قَالَ مُوْسٰی علیہ السلام: رَبِّ اَیُّ الْعِبَادِ اَحَبُّ اِلَیْكَ؟ قَالَ: اَكْثَرُهُمْ لِیْ ذِكْرًا

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے ہمکلامی کی اور کہا: اے اللہ! آپ کن بندوں سے زیادہ محبت فرماتے ہیں؟ فرمایا: جو میرا زیادہ ذکر کرتا ہے (میں اپنے اس بندے سے زیادہ محبت کرتا ہوں)۔''

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اَحَبُّ عِبَادِ اللّٰهِ اِلَی اللّٰهِ اَكْثَرُهُمْ لَهٗ ذِكْرًا فَاِنَّكَ لَنْ تُحِبَّ شَیْئًا اِلَّا اَكْثَرْتَ مِنْ ذِكْرِهٖ''

دستور بھی یہی ہے کہ جس کے بارے میں اس کے دل میں محبت ہوتی ہے، ہر وقت اس کی زبان پر اسی کی باتیں ہوتی ہیں۔

ایک بندہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آیا اور دنیا کی بڑی مذمت کرنے

لگا۔ وہ تھوڑی دیر تو سنتی رہیں، پھر کہنے لگیں: چل جا یہاں سے، مجھے لگتا ہے کہ تیرے دل میں دنیا کی محبت بہت ہے، تو دنیا کا اتنا تذکرہ کرر ہا ہے۔

دراصل تذکرہ وہی زیادہ کرتا ہے جس کے دل میں اس چیز کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔

اللہ سے ملاقات کا شوق:

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنِ اشْتَغَلَ قَلْبُهٗ وَ لِسَانُهٗ بِالذِّكْرِ قَذَفَ اللّٰهُ فِيْ قَلْبِهٖ نُوْرُ الْاِشْتِيَاقِ اِلَيْهِ

"جو انسان اپنی زبان کو اور اپنے دل کو اللہ کے ذکر میں مشغول کر لیتا ہے اللہ اس کے دل میں اپنے وصل کے اشتیاق کا نور عطا فرما دیتے ہیں۔"

ذکر کرنے والوں کے دل میں اللہ سے ملاقات کا شوق بڑھ جاتا ہے۔

اوقاتِ حسرت:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ سَاعَةٍ تَمُرُّ بِابْنِ اٰدَمَ لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهَا اِلَّا تَحَسَّرَ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

"انسان کی زندگی کے جو اوقات اللہ کی یاد کے بغیر دنیا میں گزرے ہوں گے ان اوقات پر اس کو قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت ہوگی۔"

انسان حسرت کرے گا، کاش! میں نے وہ وقت غفلت میں نہ گزارا ہوتا۔ جیسے ایک طالب علم فیل ہوتا ہے تو کہتا ہے: کاش! میں نے پڑھا ہوتا۔ جن اوقات میں اس نے نہیں پڑھا ہوتا، ان اوقات پر وہ افسوس کر رہا ہوتا ہے۔ بالکل یہی حال قیامت

کے دن اس بندے کا ہوگا۔ وہ اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوگا اور اس وقت اس کے دل میں حسرت ہوگی: کاش! میں نے دنیا میں اپنے رب کو یاد کیا ہوتا، آج میری زندگی کے اوقات میرے لیے خزانہ بنے ہوتے۔

ذکر سے بیماریوں کا علاج:

ہمارے اکابر اللہ رب العزت کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں:

اِذَا مَرِضْنَا تَدَاوِیْنَا بِذِکْرِکُمْ
فَنَتْرُکُ الذِّکْرَ اَحْیَانًا فَنَنْتَکِسُ

''اے اللہ! جب ہم روحانی طور پر بیمار ہو جاتے ہیں تو اس بیماری کا علاج تیری یاد سے کرتے ہیں اس لیے اگر احیاناً آپ کا ذکر چھوڑ بیٹھتے ہیں تو ہم پھر بیمار ہو جاتے ہیں۔''

چلتی پھرتی لاشیں:

کہنے والے نے کہا:

فَنِسْیَانُ ذِکْرِ اللّٰہِ مَوْتُ قُلُوْبِھِمْ
وَ اَجْسَامُھِمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرُ
وَ اَرْوَاحُھِمْ فِیْ وَحْشَۃٍ مِنْ جُسُوْمِھِمْ
وَ لَیْسَ لَھُمْ حَتَّی النُّشُوْرِ نُشُوْرُ

''جو لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہوتے ہیں ان کی دنیا کی قبر تو جب آئے گی، سو آئے گی، ان کا اپنا جسم ان کے دل کی قبر بنا ہوتا ہے۔''

پھر چلتی پھرتی لاشیں ہوتی ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں غفلت سے محفوظ فرمائے

رہمیں اپنی یاد کا لطف عطا فرما دے۔

مناجات:

کہنے والے نے کیا مزے کی بات کہی:

پہلو میں جب تک قلب رہے اور تن میں جب تک جان رہے
لب پہ تیرا ہی ذکر رہے اور قلب میں تیرا دھیان رہے
جذب میں پڑا اں ہوش رہے اور عقل میری حیران رہے
لیکن تجھ سے غافل ہرگز دل نہ میرا اک آن رہے
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ!
لا الہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ
یاد میں تیری سب کو بھلادوں ، کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں ، خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں ، غم سے تیرے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادمِ آخر وردِ زبان اے میرے الٰہ!
لا الہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

اللہ رب العزت ہمیں کثرت کے ساتھ اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام ﴾

عظمتِ اسلام

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اقتباس

یہ دین، دینِ فطرت ہے۔ دینِ کامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ہی ایسا پسند کیا، جس نام سے اس کی تعلیمات کا پتہ چلتا ہے۔اسلام، تسلیم سے ہے۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ ''اسلام قبول کر لے، سلامتی پا جا''

انگلش میں اسے Peace کہتے ہیں۔اس کا معنی ہے''امن''

تو اسلام دنیا میں سلامتی دینے کے لیے آیا ہے۔

......صحت کی سلامتی

......روحانیت کی سلامتی

......اخلاق و کردار کی سلامتی

......حقوق اللہ کی سلامتی

......حقوق العباد کی سلامتی

حتی کہ اسلام نے ہر چیز کی سلامتی سکھائی ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

عظمتِ اسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَام ﴾

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

دین اسلام قانون فطرت ہے۔ اس کے مطابق زندگی گزارنے سے دنیا میں روتے ہوئے آنے والا ہنستا ہوا واپس جنت کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ انسان کو اللہ رب العزت کی رضا والی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔

سلامتی کا علمبردار دین:

اسلام سے پہلے جتنے بھی ادیان آئے، ان کے نام یا تو انبیائے کرام کے ناموں پر رکھے گئے یا قبیلوں کے نام پر یا جگہوں کے نام پر رکھے گئے۔ مثلاً:

......عیسائیت کا نام مسیح کے نام پر رکھا گیا...... مسیح اللہ......یعنی دین کے نام سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اس سے کسی نبی علیہ السلام کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

...... یہودیت کا نام، ایک قبیلہ جودہ کی نسبت سے ہے...... جودہ ازم......وہاں سے جو گنا۔ یہودی بن گئے۔ گویا یہ لفظ بھی ایک قبیلے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اسلام نہ تو کسی شخصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی قبیلے کی طرف۔ یہ

لفظ ہی انوکھا ہے۔ یہ دین، دینِ فطرت ہے۔ دینِ کامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ہی ایسا پسند کیا، جس نام سے اس کی تعلیمات کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام، تسلیم سے ہے۔

اَسْلِمْ تَسْلِمْ ''اسلام قبول کر لے، سلامتی پا جا''

انگلش میں اسے Peace کہتے ہیں۔ اس کا معنی ہے ''امن'' تو اسلام دنیا میں سلامتی دینے کے لیے آیا ہے۔

..... صحت کی سلامتی

.....روحانیت کی سلامتی

..... اخلاق و کردار کی سلامتی

.....حقوق اللہ کی سلامتی

.....حقوق العباد کی سلامتی

حتی کہ اسلام نے ہر چیز کی سلامتی سکھائی ہے۔

جھگڑوں کے دروازے بند کرنے والا دین:

آپ غور کریں کہ باوجود اس کے کہ مال و دولت کی اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں، قرآن مجید کی یہ آیات اتاری گئیں کہ اگر تم کسی کو قرض دو یا اس سے لو، تو

فَلْيَكْتُبْ بَّيْنَهُمَا كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ

''ایک لکھنے والا تمہارے درمیان ایک تحریر دے''

اس میں طلبا کے لیے ایک نکتہ ہے کہ جس مال و دولت کی اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں تھی، اگر مومن کے اس مال کی حفاظت کی بھی اللہ تعالیٰ اتنی تاکید فرماتے ہیں کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے، کوئی تم سے لوٹ کر نہ لے جائے، کوئی تمہیں دھوکا نہ دے جائے، تو اس مومن کی روحانیت اور اخلاق کو بچانے کے لیے کتنی تعلیمات دی گئی

ہوں گی۔ یہ لکھنے کا حکم کیوں دیا گیا؟ اس لیے کہ معاملات کرتے ہوئے لوگ آپس میں بھائی اور دوست بن کر اعتماد سے کام کرتے ہیں، لیکن ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ جہاں بھی مال آتا ہے وہاں انسان کے اندر شیطان کو آنے کا راستہ مل جاتا ہے۔ یہ بھائی، بھائی کے درمیان تفریق ڈال دیتا ہے، اور بھائی، بہن کے درمیان تفریق ڈال دیتا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ

...... باپ کی جائیداد پر بھائی اور بہن کے درمیان جھگڑا

...... دو بھائیوں کے درمیان جھگڑا

...... ماں اور اولاد کے درمیان جھگڑا

شریعت مطہرہ کا حسن دیکھیے کہ پہلے ہی جھگڑوں کے دروازے بند کر دیے۔ بھئی! تم لکھ لو، تاکہ تمہارا مال ضائع نہ ہو۔ جو پروردگار مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے تعلیمات ارشاد فرما رہے ہیں، وہ انسان کو ایمان کے ضائع ہونے کے بارے میں کیوں تعلیمات ارشاد نہیں فرمائیں گے۔ دینِ اسلام ایسا سلامتی کا دین ہے جس نے ہر ایک کے حقوق متعین کر دیے ہیں۔

شریعت میں قیل وقال کی گنجائش نہیں:

جب انسان کلمہ پڑھتا ہے تو ساتھ یہ بھی پڑھایا جاتا ہے:

وَ قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ

''اور میں نے اللہ کے تمام احکام کو قبول کر لیا۔''

جس طرح نکاح کے وقت خاوند کہتا ہے، قَبِلْتُ اور بیوی کو نکاح میں قبول کر لیتا ہے۔ پھر بیوی کی جتنی بھی ضروریات ہوتی ہیں ان کا پورا کرنا خود بخود خاوند کے ذمے ہو جایا کرتا ہے۔ اسی طرح جس نے کلمہ پڑھا اور اس نے قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ کے الفاظ کہہ دیے، اس کے اوپر پوری شریعت کے احکام پر عمل کرنا لازم ہو گیا۔ اب

ہمارے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ ہم پوچھیں کہ شریعت میں ایسا کیوں ہے؟ کیوں والی بات ہی نہ رہی۔ پتہ ہی کاٹ کر رکھ دیا۔ ہمارے پاس اختیار ہی نہیں۔ہم سوال پوچھ ہی نہیں سکتے کہ ایسا کیوں ہے......نہیں......بس! مالک کا حکم ہے جو ہم نے قبول کرلیا ہے اور اب فقط سر جھکانا ہے۔

ہاں! یہ تو پوچھ سکتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ شریعت نے اس سوال کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

......اپنے استاد سے پوچھیے

......مفتی صاحب سے پوچھیے

......والدین سے پوچھیے

......بزرگوں سے پوچھیے

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

''اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھیے''

اسلام میں سوال پوچھنے کی حوصلہ افزائی:

بلکہ پوچھنے کو شریعت نے اچھا سمجھا ہے۔اس لیے حدیث پاک میں فرمایا:

شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ

یعنی جہالت یا نہ جاننا ایک بیماری ہے اور اس بیماری کا علاج سوال کے پوچھ لینے میں ہے۔ گویا سوال پوچھنے کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ سوال پوچھا کرو۔ ساتھ یہ بھی کہہ دیا:

حُسْنُ السُّوَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ

''اچھا سوال پوچھنا آدھے علم کی نشانی ہے۔''

وہ تو آدھا علم ہوتا ہے۔ بلکہ مومن کو سوال پوچھنے کی ترغیب دی گئی، حکم دیا گیا، فضائل سنائے گئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ''جو سائل غربت کی وجہ سے روٹی مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے چند بندوں کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

......جس بندے نے مال کمایا، اس کی مغفرت،

......جس بندے نے اس کا کھانا بنایا، اس کی مغفرت اور

......جس بندے نے وہ کھانا سائل تک پہنچایا، اس کی بھی مغفرت''

یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں کھانا دینے پر تین بندوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ لیکن جس طالب علم نے اپنے استاد سے دین کا سوال پوچھا، حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس سوال کے پوچھنے پر اللہ تعالیٰ چار بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

(۱)......سوال پوچھنے والے کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ روٹی کے سوال والی حدیث پاک میں اس روٹی مانگنے والے کی مغفرت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ بھئی! اس نے روٹی طلب کی اور اس کو روٹی مل گئی، بات ختم۔ اللہ اللہ، خیر سلا۔ لیکن اس حدیث پاک میں فرمایا کہ جو بندہ دین کا سوال پوچھتا ہے، اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اس سائل کی مغفرت فرماتے ہیں۔

(۲)...... جو استاد اس سوال کا جواب دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس جواب دینے والے کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

(۳)...... جو آس پاس میں بیٹھے سوال و جواب کو سن رہے ہوتے ہیں، مجلس میں، کلاس روم میں، کمرہ جماعت میں، ان کی بھی اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیتے ہیں۔

(۴)......ایک آدمی وہاں موجود نہیں تھا لیکن اس استاد اور طالب علم والے عمل سے محبت کرتا تھا، ان پر وہ خرچ کرتا تھا، ان کی دل میں محبت رکھتا تھا۔ حدیث پاک میں

آیا ہے کہ سوال پوچھنے والے اور جواب دینے والے سے محبت رکھنے والے بندے کی بھی اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیتے ہیں۔ بیٹھے گھر میں ہوتے ہیں اور ادھر مغفرت ہو رہی ہوتی ہے۔

سوال پوچھنے کی حدود وقیود:

دیکھو! دین کا سوال پوچھنے کا اللہ کے ہاں کتنا درجہ ہے۔ لیکن حدود وقیود بھی بتا دیے۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ

''اے ایمان والو! تم ایسی باتیں مت پوچھو کہ جو کھل جائیں تو تمہارے لیے مشکل کا باعث بن جائیں۔''

لیکن پھر ان کے جواب کو تم پسند نہ کرو۔ مقصد کیا؟ کہ سوال برائے سوال نہیں ہونا چاہیے، سوال علم حاصل کرنے کے لیے ہونا چاہیے۔ مگر کچھ لوگ

..... اعتراض کی نیت سے سوال کرتے ہیں

..... اپنا آپ دکھانے کی نیت سے سوال کرتے ہیں

..... لوگوں پر اپنی علمیت ظاہر کرنے کے لیے سوال کرتے ہیں۔

شریعت نے ان تمام چیزوں کا راستہ بند کر دیا ہے کیونکہ ایسے سوال بد نیتی پر مبنی ہوتے ہیں۔ شریعت کا حسن دیکھو۔ حصولِ علم کے لیے سوال پوچھنا ہو تو اس کا حکم دیا گیا اور فضائل بتائے گئے۔ لیکن اگر دکھاوا آجائے، بد نیتی آجائے یا دوسروں کو نیچا دکھانا ہو تو ایسے سوال سے منع کر دیا۔ جس شریعت نے سوال پوچھنے اور جواب دینے والے کے احکام کو بھی اتنا کھول کر بتا دیا، اس شریعت نے زندگی کے باقی احکام کو کیسے کھولا ہوگا۔ واقعی دینِ اسلام سلامتی کا دین ہے۔ جس نے بھی اس کو قبول کیا وہ سلامتی پا گیا۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

دنیا دار لوگ دھکے کھا کھا کے کچھ باتیں سیکھتے ہیں اور جب وہ علما سے پوچھتے ہیں تو شریعت میں اس کا حکم پہلے ہی سے موجود ہوتا ہے۔ دھکے کھا کھا کے سیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کام آئندہ نہیں کرنا اور علما کہتے ہیں کہ شریعت نے تو اس سے پہلے ہی منع کر دیا تھا۔

اسلام میں دل توڑنے کی مذمت:

شریعت نے ہر بندے کو سلامتی دی اور ہر ایک کے حقوق متعین کر دیے۔ یہ ایسا سلامتی کا دین ہے،...... آپ حیران ہوں گے...... کہ درخت کے اوپر پتہ لگا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بندہ پتے کو بے مقصد توڑتا ہے تو شریعت نے اس کو بھی مکروہ قرار دیا ہے کہ بے مقصد کیوں توڑا۔ جس شریعت نے پتے کو بے مقصد توڑنا مکروہ قرار دیا ہو تو پھر کسی انسان کا دل توڑنا، کیا قرار دیا ہوگا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ہم دین اسلام پر عمل کرنے والے بن جائیں تو ہم خود بھی سکھی رہیں گے اور اللہ کے بندوں کے لیے بھی راحت جان بن جائیں گے۔ چونکہ عمل میں کمی ہوتی ہے اس لیے اللہ کے بندوں کے لیے وبال جان بنے ہوتے ہیں۔ ہماری شکل وصورت دیکھو، تو بڑی مومنوں والی اور اگر اہل خانہ سے ہمارا برتاؤ پوچھو تو اللہ توبہ کریں گے۔

......بچوں سے پوچھو تو کہیں گے، ابو جیسا نہیں بننا۔

......بیوی سے کہو کہ دین دار بن جاؤ، وہ کہتی ہے کہ جیسا دین دار میرا خاوند ہے، میری توبہ، میں ایسی دین دار نہیں بن سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم دوسروں کے راستے میں رکاوٹ بنے ہوتے ہیں:۔

......اپنی نالائقیوں کی وجہ سے

......اپنی بے ضابطگیوں کی وجہ سے

......معاملات اچھے نہیں ہوتے

......اخلاق اچھے نہیں ہوتے

......معاشرت اچھی نہیں ہوتی

اگر کوئی بندہ مصلے پر بیٹھ کر نماز پڑھ لے تو کیا وہ اچھا انسان بن گیا؟ ہرگز نہیں۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو اپنے تعلق کو ٹھیک کیا مگر اللہ کے بندوں کے ساتھ بھی تو اپنے تعلقات کو ٹھیک کرنا ہے نا۔ جب تک ان تعلقات کو ٹھیک نہیں کرے گا، کامل نہیں بنے گا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں کسی نے ایک آدمی کی تعریف کر دی۔ انہوں نے پوچھا! بھئی! بتاؤ کہ تم نے کبھی اس کے ساتھ لین دین کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: حضرت میں نے لین دین تو کبھی نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا: کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اس کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے؟ اس نے کہا: جی سفر بھی کبھی نہیں کیا۔ پھر حضرت نے فرمایا: اچھا! پھر تم نے اس کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہوگا اس لیے تو اس کی اچھائی بیان کر رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کسی کی اچھائی کی سند اس وقت تک نہیں دی جا سکتی جب تک کہ اس کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے۔ اس کی عادات اور اخلاق کا پتہ ہی تب چلتا ہے جب لین دین کا معاملہ کیا جائے۔

شخصیت کی پہچان:

آدمی جہاں رہتا ہے، وہاں جو اس کے قریب ہوتے ہیں وہ اس کی شخصیت کے بارے میں بہترین رائے دیتے ہیں۔ آج کل کے لوگ

......بچوں سے پوچھتے ہیں

......بیوی سے رائے پوچھتے ہیں

......نوکر چاکر سے رائے پوچھتے ہیں

......ساتھ رہنے والے ڈرائیور سے پوچھتے ہیں کہ بندہ کیسا ہے؟

پھر بندے کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کیسا ہے۔

آپ اکثر دیکھیں گے کہ ساری دنیا بندے کو بڑا امانتی ہوگی۔ لیکن اس کی بیوی، بچے اور کام کرنے والے خادم ناک تک ہوئے ہوں گے، اللہ توبہ کرتے ہوں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ آپ ﷺ کی نبوت پر سب سے پہلے وہ ایمان لائے جو سب سے زیادہ قریب تھے۔

...... دوستوں میں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ زمانہ جاہلیت یا حالتِ اسلام میں کبھی آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوئے تھے۔ ایسی دوستی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا۔

...... بیوی نے اسلام قبول کیا۔

...... زید رضی اللہ عنہ جو غلام تھے انہوں نے اسلام قبول کیا۔

...... حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے بچے تھے، انہوں نے اسلام قبول کیا۔

یعنی جو سب سے قریبی تھے، انہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

اسلام مقناطیسیت کا نام:

مقناطیس قریب کی چیزوں کو جلدی کھینچتا ہے۔ اسلام کی مثال مقناطیس کی مانند ہے۔ جس شخص میں جتنا اسلام ہوگا۔ اس میں اتنی ہی مقناطیسیت ہوگی۔ آپ ذرا اس بات پر غور کیجیے کہ ہم لوگوں کے پاس اسلام کا ظاہر ہے، باطن نہیں ہے۔ ظاہر پہ لوگ اتنی محبتیں جتلاتے ہیں، اگر ہمارے پاس باطن ہوتا تو پھر محبتوں کا کیا عالم ہوتا، گویا اسلام، نام ہی مقناطیسیت کا ہے۔

دو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک درخشندہ مثال:

دو صحابہ انڈونیشیا میں آئے۔ انہوں نے کوئی تبلیغ نہیں کی۔ کوئی وعظ نہیں کیا۔ کوئی درس قرآن نہیں دیا۔ فقط دکان کھولی۔ ان کی دکانداری کو دیکھ کر پورا ملک مسلمان ہوگیا۔ ایسے اصولوں کے ساتھ دکانداری کی کہ لوگ ان کی دکان سے خریداری کرنا پسند کرتے تھے۔ مگر لوگ دیکھتے کہ یہ درمیان میں کچھ وقت کے لیے دکان بند کر دیتے ہیں۔ پوچھتے کہ گاہک کھڑے ہوتے ہیں اور آپ دکان بند کر دیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟ وہ کہتے کہ اس وقت میں ہم اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر پوچھتے ہیں: جی! آپ چھٹی کیوں کرتے ہیں؟ بتاتے کہ وہ جمعہ کا دن ہوتا ہے۔ لوگوں نے کہا: اچھا! تمہیں دکانداری کے یہ اصول وضوابط کس نے سکھائے؟ انہوں نے کہا: یہ اصول و ضوابط ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر انہوں نے آپ کو سکھائے تھے تو آپ ہمیں بھی سکھا کر اپنے جیسا بنا لیجیے۔ سبحان اللہ!

پتہ چلا کہ مسلمان کا فقط بیٹھ جانا ہی دعوت ہوتا ہے بشرطیکہ عمل بھی ہو۔ اگر شکل و صورت سے ہی یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہو کہ ''جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود'' ایسے مسلمان کا بیٹھنا اٹھنا ہرگز دعوت نہیں بن سکتا۔ مسلمان کہلانا آسان ہے لیکن مسلمان بن کے رہنا بڑا مشکل کام ہے۔ جو بنتا ہے یا بناتا ہے وہ پتہ پاتا ہے ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الہ را

''جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو لرز جاتا ہوں۔ اس لیے کہ میں لا الہ الا اللہ کی مشکلات کو سمجھتا ہوں''

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

اسلام اور ایمان میں فرق:

چند اعرابی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آئے۔ وہ کلمہ پڑھ کر کہنے لگے: ''ہم نے تو اسلام قبول کر لیا اور مومن بن گئے۔ گویا وہ احسان جتلانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آیتیں اتار دیں۔ فرمایا:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾

''یہ جانگلی، دیہاتی، اعرابی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے، البتہ تم یہ کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا، اور ابھی ایمان کامل تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

یعنی ابھی تو ابتدا ہے۔ ذرا قدم آگے بڑھاؤ گے اور عمل کر کے دکھاؤ گے تو ایمانِ کامل پھر دل میں داخل ہوگا۔ پتہ چلا کہ لا الہ الا اللہ کہنے سے کام ختم نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو کام کی ابتدا ہے۔ اس کے بعد اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہوگا۔

بندۂ مومن کی اتنی عظمت......!!

یہ بات یاد کر لیجیے کہ مومن جہاں بھی ہوتا ہے وہ اللہ کے بندوں کے لیے راحتِ جان بنا ہوتا ہے۔ ایمان والوں کے سامنے نرم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو فرماتے ہیں:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اے محبوب! ایمان والوں کے لیے اپنے کندھے جھکا دیجیے۔''

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو بھی یہ حکم دے رہے ہیں تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں کہ اکڑفوں میں رہتے ہیں۔

انا کا مسئلہ:

ہم تو ذرا ذرا سی بات کو اپنے لیے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔

......دو دوستوں کا تعلق دیکھو تو انا کا مسئلہ

......میاں بیوی کے معاملات کو دیکھو تو انا کا مسئلہ

......رشتہ داروں کے تعلقات کو دیکھو تو انا کا مسئلہ

......ہمسایوں میں دیکھو تو انا کا مسئلہ

اس ''انا'' نے تو ہمیں ڈبو دیا ہے۔

ایک عجیب نکتہ:

علما نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے، ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جہاد سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ تھک گئے، نیند آنے لگی، رات کا وقت بھی ہو گیا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔ سارا لشکر تھکا ہوا تھا اس لیے سب سونا چاہتے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: وہ کون ہے جو پہرہ دے اور ہمیں صبح فجر کی نماز کے لیے جگائے؟ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: اَنَا ''میں اس کام کے لیے حاضر ہوں'' چنانچہ ان کی ڈیوٹی لگ گئی اور باقی سب سو گئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر تو چلتے پھرتے رہے۔ وہ بھی تھکے ہوئے تھے۔ ایک جگہ پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ان کو کھڑے کھڑے نیند آ گئی۔ صبح کے وقت جب سورج طلوع ہوا اور سورج کی کرنوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک رخساروں کے بوسے لیے تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو جگایا اور فرمایا: بلال! آپ نے ہمیں جگایا ہی نہیں، فجر کی نماز قضاء ہو گئی۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قضا کروائی۔ کیوں؟ قضا نماز کا مسئلہ واضح فرمانا تھا۔ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں نماز کبھی قضا نہ ہوئی

ہوتی تو امت کے سامنے قضاء نماز کا مسئلہ کیسے کھلتا؟ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی نماز میں بھولتے ہی نہ تو سجدہ سہو کا مسئلہ کیسے واضح ہوتا؟ جی ہاں! ایک مرتبہ آپ ﷺ نے چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ صحابہ ﷺ نے کہا:

اَقُصِرَتِ الصَّلٰوۃِ اَمْ نَسِیْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!

اے اللہ کے نبی! کیا آج سے بعد یہ نماز کم ہوگئی یا آپ بھول ہوگئی؟

فرمایا:

لَا نَسِیْتُ بَلْ نُسِیْتُ

''میں بھولا نہیں، بلکہ بھلایا گیا ہوں''

اللہ تعالیٰ نے بھلا دیا ہے تاکہ تمہارے سامنے بھولنے کی صورت میں سجدہ سہو کا مسئلہ واضح ہو جائے کہ نماز کو کیسے ٹھیک کر سکتے ہیں۔ اب سوچیے کہ جس محبوب ﷺ کا بھولنا بھی امت کے لیے رحمت ہوگا، اس محبوب ﷺ کا ہوش مندی کا معاملہ امت کے لیے کتنی بڑی رحمت ہوگا۔ جس محبوب ﷺ کا سو جانا امت کے لیے رحمت ہوگا اس محبوب ﷺ کا جاگنا امت کے لیے کتنی بڑی رحمت ہوگا۔ تو محبوب ﷺ سو گئے اور امت کے لیے قضا نماز کا مسئلہ واضح ہو گیا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ اب نماز قضا ہوگئی ہے۔

یہاں پر علما فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے محبوب ﷺ نے پوچھا: بلال! تم نے ہمیں کیوں نہیں جگایا تو بلال ﷛ نے آگے بڑھ کر جواب دے دیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! جس اللہ نے آپ کو سلایا اسی اللہ نے مجھ پر بھی نیند طاری کر کے مجھے بھی سلا دیا ..... بات تو آئی گئی ہوگئی ..... لیکن یہاں محدثین نے نکتہ یہ لکھا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا تھا کہ ہمیں کون جگائے گا تو بلال ﷛ نے جواب میں ''انا'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس ''انا'' کے لفظ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز قضا کر کے

دکھادی۔ یہ انا یعنی ''میں'' بہت خراب کرتی ہے۔ یہ لفظ ہی اللہ کو پسند نہیں آیا۔

اس لیے ہمارے مشائخ ''میں'' کا لفظ استعمال ہی نہیں کرتے۔ وہ فقیر کا لفظ اور عاجز کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ عاجز نے یہ کیا، فقیر نے یہ کیا، عاجز یہ کرنا چاہتا ہے۔ ''میں'' کا لفظ ہی زبان پر نہ آئے۔ اس لیے کہ یہ میں اللہ کو بہت ہی ناپسند ہے۔

ایک اور نکتہ:

بکری کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ بولتی ہے تو ''میں میں'' کرتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ دیکھو! اللہ نے اسے اس کی ''میں میں'' کا کیا مزا چکھایا۔

...... سب سے پہلے اس کے گلے پر تیز چھری چلوائی اور خون کے فوارے چھوٹے۔ اس کی میں نکل رہی ہے۔

......گردن کٹی

......اس کی چمڑی اتروائی

...... جب چمڑی اتر گئی تو اس کے گوشت کی بوٹیاں بنوائیں۔

......اس کی ہڈیوں کو بھی کٹوا دیا

...... پھر اسے آگ کے اوپر چڑھا کے کباب بنوا دیے اور دستر خوان پر پہنچا دیے۔

......ہم جیسے فقیروں کے بتیس دانتوں نے اس کو پیٹ میں پہنچا دیا۔

......گوشت پیٹ میں چلا گیا، ہڈیاں جانوروں کے منہ میں چلی گئیں۔

......کسی ہڈی کو کتے نے چچوڑا اور کسی کو کسی اور نے توڑا۔

باقی رہ گئیں آنتیں۔ ان آنتوں کو لوگوں نے مشینوں میں استعمال کرنے کے لیے خشک کیا۔

پہلے وقتوں میں روئی دھننے کی ایک مشین ہوتی تھی اس میں دھاگے کی جگہ بکری

کی آنت خشک کر کے استعمال ہوتی تھی۔ دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے اور یہ ٹوٹتی نہیں تھی۔ چنانچہ روئی دھننے کی مشین میں اس کو استعمال کرنے کے لیے اس کی آنتوں کو خشک کیا گیا۔ جب بالکل خشک ہو کر دھاگہ بن گئی تو کسی بندے نے اس کو اس مشین میں فٹ کیا۔ پھر جب وہ اس مشین کو چلاتے وقت دھاگے کو ہلاتا ہے تو اس میں سے ''توں توں'' کا لفظ نکلتا ہے۔

اس پر بزرگوں نے فرمایا: دیکھو! بکری کی میں اللہ کو اتنی ناپسند آئی کہ اتنے مراحل سے اسے گزارا، جب تک توں کا لفظ نہیں نکلا اس وقت تک نہیں چھوڑا۔

بھئی! ہم بھی اسی طرح بجائے اس کے کہ فرشتوں سے عذاب سہیں، مشقتیں اٹھائیں، سزائیں پائیں، بہتر یہ ہے کہ خود ہی توں کہنا شروع کر دیں۔ تو میں سے بچیں اور توں کا سبق یاد کریں۔ ہماری خانقاہوں میں سب سے پہلے یہی بات سکھائی جاتی ہے۔

موبائل یونیورسٹیاں:

خانقاہ کس کو کہتے ہیں؟ کیا کسی عمارت کا نام ہوتا ہے؟ نہیں۔ خانقاہ شخصیتوں کا نام ہوتا ہے۔ اب کوئی بندہ جس کو اللہ کے کسی بندے نے بنایا سنوارا اور اس کے سر پر بوجھ ڈالا کہ اب آگے لوگوں کو بناؤ۔ بننے کی پہچان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ آگے بنا رہا ہوتا ہے۔...... ایک دفعہ ایک بزرگ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ ذکر و سلوک میں لگا ہوا کون ہے؟ کسی نے کچھ جواب دیا اور کسی نے کچھ۔ ایک شاگرد نے عرض کیا: حضرت! آپ ہی بتا دیں۔ فرمانے لگے: ''ذکر و سلوک میں لگا ہوا وہ ہے جس کو لگی ہوئی ہو۔'' پھر پوچھا: بتاؤ! لگی ہوئی کس کو ہے؟ شاگردوں نے کہا: حضرت! اب اس کا جواب بھی آپ ہی بتا دیں۔ فرمایا: لگی ہوئی اس کو ہوتی ہے جو آگے لگا رہا ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری سی چیز ہے..... تو خانقاہ کسی عمارت کا نام نہیں ہوتا، شخصیت

کا نام ہوتا ہے۔

.....وہ عمارت کے نیچے بیٹھیں تو وہ خانقاہ

.....وہ درخت کے نیچے بیٹھ جائیں تو وہ خانقاہ

..... وہ چٹیل میدان میں بیٹھ جائیں تو وہ خانقاہ

.....وہ جنگل میں بیٹھ جائیں تو وہ خانقاہ بن جائے گی، بلکہ منگل کا سماں ہوگا۔

آج کے دور میں لوگ یونیورسٹیوں میں علوم سیکھنے جاتے ہیں۔ یہ خانقاہیں بھی موبائل یونیورسٹیاں ہیں۔ ایک فون گھر میں ہوتا ہے اور ایک موبائل فون بھی ہوتا۔ موبائل فون پر جب چاہو اور جہاں چاہو، بات کرلو..... خانقاہیں موبائل یونیورسٹیاں ہوتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کی یونیورسٹیوں میں طلبا آٹھ گھنٹے پڑھتے ہیں اور ان موبائل یونیورسٹیوں میں وقت گزارنے والا چوبیس گھنٹے کا طالب علم ہوتا ہے۔ جب بھی شیخ کے پاس بیٹھا ہوتا ہے وہ سیکھ رہا ہوتا ہے۔ دن میں بھی رات میں بھی، سونا بھی سیکھتا ہے جاگنا بھی سیکھتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں تو صرف ایک مضمون پڑھا دیا جاتا ہے۔ الیکٹریکل پڑھنے والوں کو الیکٹرسٹی کے بارے میں مکینیکل والوں کو مکینیکس کے بارے میں۔ لیکن ان خانقاہوں میں آنے والے طالب علم کا جو سلیبس (نصاب) ہے وہ پوری زندگی سے متعلقہ علوم ہیں۔ چنانچہ مشائخ چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی چیز بھی سکھاتے ہیں۔

رسولِ اعظم ﷺ.....مرشدِ اعظم:

اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ ''مرشدِ اعظم'' تھے۔ انہوں نے

.....تھوک پھینکنا بھی سکھایا

.....روٹی کا لقمہ منہ میں ڈالنا سکھایا

..... پلیٹ سے سالن لقمے کے ساتھ کیسے لینا ہے، یہ بھی سکھایا۔ فرمایا:

كُلْ بِيَمِيْنِكَ وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ

''دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور جو قریب کی جگہ ہے وہاں سے کھاؤ۔''

..... لقمہ چبا چبا کر باریک کرنا اور پھر نگلنا سکھایا۔

..... اپنی قضائے حاجت کے لیے کیسے بیٹھنا ہے، کس طرف رخ کرنا ہے، اور کس طرف نہیں کرنا، یہ بھی سکھایا۔

..... میاں بیوی آپس میں وقت کیسے گزاریں، یہ بھی سکھایا۔

..... ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کیسے کرنے ہیں، یہ بھی سکھایا۔

..... اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے کرنی ہے، یہ بھی سکھایا۔ زبانی ہی نہیں، بلکہ پریکٹیکل بھی کروایا۔ یونیورسٹیوں میں جیسے پہلے تھیوری پڑھا دیتے ہیں اور پھر پریکٹیکل کرواتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے تھیوری بھی بتائی اور پریکٹیکل بھی کروایا۔ نماز کی تعلیم زبان مبارک سے بھی دی اور پھر منبر پر چڑھ کر فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ

''جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو ویسے نماز پڑھو۔''

گویا پریکٹکل بھی کروایا۔

جیسا گمان ویسا فیض:

خانقاہ کے اندر رہتے ہوئے ہر چیز پر شیخ کی نظر ہوتی ہے۔ کئی دفعہ قریب رہنے والے لوگ سوچتے ہیں کہ جی! شیخ کو پتہ ہی نہیں ہے۔ بیوی نے کوئی بات کی۔ کہتا ہے نہیں نہیں، خط میں اپنی بات ذرا ایسے ایسے لکھ دے، حضرت کو کون سا پتہ چلتا ہے۔ کئی دوستوں کا یہ گمان ہوتا ہے۔ او جی! باقی لوگ بھی تو اپنے اچھے اچھے حالات آ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ کون سا جا کر دیکھتے ہیں، تم بھی اپنے اچھے اچھے حالات بیان کرو۔ شیخ کے بارے میں ان کا یہ گمان ہوتا ہے۔ ان کو اتنا اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہنے

والے کی بات بھی سن رہے ہوتے ہیں اور کچھ اس کے دل کی حالت کو بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ذرا سوچیں کہ جب شیخ کے بارے میں گمان ہی یہ ہو کہ ان کو جیسے بھی حالات بتا دیں ویسے ہی وہ بات مان لیتے ہیں تو پھر بندے کو کیا فائدہ ہوگا۔ پھر کہتے ہیں:

......حضرت! میرے حالات اچھے نہیں ہیں

......حضرت! میرا کاروبار ڈاؤن جا رہا ہے۔

......حضرت! میری باطنی حالت بہت خراب ہوگئی ہے

......حضرت! میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جاتا ہوں

......حضرت! نمازوں میں میرا دل نہیں لگتا

......حضرت! تہجد میں دل نہیں لگتا

جیسا آپ کا گمان ہوگا ویسا آپ کو فیض ملے گا۔

خود ہی مریض خود ہی طبیب:

مشائخ کی عادت ہوتی ہے خاموشی اختیار کرنے کی۔......یہی عادت مبارکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی، کئی معاملات میں جب ناپسند چیز سامنے آتی تھی تو آپ ﷺ خاموشی اختیار فرما لیتے تھے۔ اور آپ ﷺ کی خاموشی میں یہ پیغام ہوتا تھا کہ یہ چیز اچھی نہیں ہے۔ جیسے ایک صحابیؓ نے ایک اونچا مکان بنایا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش ہو گئے۔ کچھ بھی نہ کہا۔ اور محبوب ﷺ کی خاموشی سے ہی ان کو میسج مل گیا......

شیخ مرید کی بات سن کر خاموشی کیوں اختیار کرتے ہیں؟

اس لیے کہ انہیں مریض کے مرض کا پتہ ہوتا ہے۔

آج کل تو مریض خود ڈاکٹر بن کر آتے ہیں۔ کہتے ہیں:

''حضرت! میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ مجھے یہ مشورہ دیں۔''

ایک صاحب نے آ کر اپنے حالات بتائے اور حالات بتانے کے بعد ان کا حل بھی بتایا۔ وہ دراصل عاجز کی زبان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ میں نے پوچھا: کیا آپ میری زبان سے کہلوانا چاہتے ہیں۔ کہنے لگا: ہاں ہاں! بس میں اسی لیے آیا ہوں کہ آپ کی زبان سے یہ جواب نکل جائے اور میں سن لوں۔ اب بتائیں کہ جب خود ہی مریض ہوں اور خود ہی طبیب ہوں تو کیا بہترین علاج ہوگا!

تعلیماتِ اسلامی کا نکتہ کمال:

یہ دینِ اسلام کا حسن ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو وہ تمام احکام سکھلا دیے جن کی ان کو ضرورت پڑتی ہے۔ تمام اصول وضوابط بتا دیے۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی تھرڈ ورڈ میں زندگی گزارے تو بھی اسلام کی تعلیمات اس کے لیے موجود ہیں اور اگر کوئی بڑی ترقی یافتہ دنیا میں جا کر زندگی گزارے تو بھی اسلام کی تعلیمات سامنے ہیں۔ قیامت تک کے لیے یہ شریعت ہمارے لیے کافی، وافی اور شافی ہے۔ اس کی تعلیمات ہی ایسی ہیں۔

رویتِ ہلال اور اسلامی تعلیمات:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمضان المبارک کے چاند کے بارے میں فرمایا:

صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَ اَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ

''چاند دیکھ کر تم روزے رکھو اور چاند دیکھ کر تم افطار کرو''

اس وقت یورپ میں مسلمانوں کے دو طرح کے گروہ ہیں۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو کہتا ہے کہ اتنی سائنسی ترقی ہو چکی ہے کہ انسان سائنس کے ذریعے چاند پر پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا یہ تو پہلے ہی سے پتہ ہوتا ہے کہ چاند کہاں نظر آئے گا اور کہاں نظر نہیں آئے گا۔ تو چاند کو دیکھ کر روزے رکھنے کا کیا مطلب؟ پہلے سے ہی اعلان کر سکتے ہیں۔

چنانچہ ایک ملک کی ایمبیسی کی طرف سے شعبان کے آخری جمعہ میں اعلان کر دیا جاتا ہے کہ فلاں دن روزہ ہوگا، صرف یہی نہیں، بلکہ یہ بھی اعلان کر دیا جاتا ہے کہ فلاں دن عید ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جب سائنسی ترقی اتنی ہو چکی ہے کہ ہمیں پتہ ہے کہ چاند کس جگہ پر کب نظر آئے گا، اور کب نظر نہیں آئے گا۔ لہٰذا ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

ہم جیسے لوگ وہاں رہ کر بھی چاند دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیں ''پرانے دماغوں کے مولوی'' کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں: جی! روزے تو ہمارے ہیں، آپ کے تو ہیں نہیں۔ اس لیے ہم اپنا روزہ چاند کو دیکھ کر رکھیں گے۔ اور دیکھ کر کھولیں گے۔ الحمد للہ! ان ملکوں میں رہنے والے وہ لوگ جو اپنے اکابر کی طرز پر چلتے ہیں، وہ معلومات تو حاصل کر لیتے ہیں کہ کہاں چاند نظر آ سکتا ہے اور کہاں نظر نہیں آ سکتا، لیکن تصدیق کے لیے لوگوں کو اونچی عمارتوں پر بھیجتے ہیں، اور جب تک تصدیق نہیں ہو جاتی اور شرعی گواہیاں نہیں مل جاتیں اس وقت تک روزے رکھنے کا اور افطار کرنے کا فیصلہ نہیں کرتے۔ یہ دوسرے گروہ کے لوگ ہیں۔

ایک دفعہ ایک صاحب ہمارے پاس آ گئے اور کہنے لگے: جی! آپ تو سائنس پڑھے ہوئے ہیں، انجینئر ہیں۔ آپ بھی ان پڑھوں والی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا: کیا مطلب؟ کہنے لگے: آپ تو سائنس جانتے ہیں اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم چاند دیکھ کر روزہ رکھیں گے اور چاند دیکھ روزہ کھولیں گے۔ یعنی عید منائیں گے۔ کئی دفعہ آسمان پر بادل بھی ہوتے ہیں، کبھی نظر نہیں بھی آتا، اس لیے سائنس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

خیر! ہم نے اس بندے کو تو جو جواب دینا تھا وہ اسے دیا۔ لیکن پھر ہم نے اس کے بعد اس کی تحقیق شروع کر دی کہ سائنس اس کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

امریکہ میں سپیس (خلا) کے بارے میں ایک میوزیم ہے۔ وہاں پر ہر وقت بتایا جاتا ہے کہ خلا میں کیا ہو رہا ہے۔ ایک ریڈیو سٹیشن ہی ایسا ہے کہ آپ وہاں فون کریں تو آپ کو ہر وقت وہاں پر یہ خبریں سنائی دے رہی ہوں گی کہ اب

......مشتری میں یہ ہو رہا ہے۔

......عطارد میں یہ ہو رہا ہے۔

......سورج میں یہ ہو رہا ہے۔

......چاند میں یہ ہو رہا ہے۔

جو کچھ اوپر کی دنیا میں ہو رہا ہوتا ہے اس کے بارے میں معلومات بتائی جاتی ہیں۔ آج چاند کس کس جگہ پر نظر آئے گا اور کس کس جگہ پر نظر نہیں آئے گا، وہ بتاتے ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا: آج چاند کہاں کہاں نظر آئے گا؟ انہوں نے کہا: فلاں فلاں جگہ پر نظر آئے گا۔ ہم نے پوچھا: آپ کی یہ بات پکی ہے یا اندازے پر مبنی ہے؟ جب ہم نے بات کو ذرا کھولنا چاہا تو وہ کہنے لگے کہ ہم سو فیصد یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ ہم نے پھر پوچھا: جناب! سو فیصد یقین کے ساتھ کون کہہ سکتا ہے۔ انہوں نے کہا: جی! آپ نیوی والوں سے رابطہ کریں۔ ان کا مستقل ایک ڈیپارٹمنٹ ہے اور ایک بڑا کمپیوٹر ہے ان کے پاس۔ وہ چاند کے مدار کے ایک ایک انچ کی پیمائش رکھتے ہیں، ان کو پکا پتہ ہوتا ہے۔ کہ اس وقت چاند کہاں پہ ہے۔

ان سے نمبر لے کر میں نے خود فون کیا۔ وہاں اس کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ میں ایک خاتون تھی۔ اس سے میری بات ہوئی۔ میں نے کہا: میں فلاں علاقے میں ہوں اور معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں چاند نظر آئے گا یا نہیں نظر آئے گا۔ اس نے کمپیوٹر سے پتہ کر کے بتایا کہ صرف اتنے پرسنٹ چانس ہیں۔ میں نے کہا: واہ! انسان تو چاند پر قدم لگا چکا ہے اور سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ صرف اتنے

پرسنٹ چانس ہیں نظر آنے کے،کوئی پکی بات کرو...... جوسوال دوسرے لوگ ہم سے کہتے تھے ہم نے ہو بہو وہی سوال ان سے کر دیا کہ کوئی پکی بات بتاؤ۔ انسان تو چاند پر پہنچ چکا ہے اور ابھی بھی آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ چانسز ہیں۔...... جب اس عاجز نے کہا کہ کوئی پکی بات بتاؤ کہ چاند یقینی طور پر نظر آئے گا یا نہیں آئے گا۔ تو اس نے کہا کہ ہم یقین سے کبھی بھی نہیں کہہ سکتے۔ میں نے کہا: چاند پر چڑھ گئے اور یقین سے کہہ نہیں سکتے!؟ کہنے لگی: دراصل بات یہ ہے کہ اس کے درمیان کچھ مشکلات ہیں۔ وہ مشکلات یہ ہیں کہ ہم جو چاند کی پوزیشن بتاتے ہیں، وہ دیکھ کر نہیں بتاتے، حساب کی کچھ Equations مساواتیں ہیں۔ ہم ان سے جمع تفریق کر کے بتاتے ہیں کہ اب چاند یہاں ہوگا۔ وہ جمع تفریق کا حساب اتنا پکا ہے کہ صحیح پوزیشن کا پتہ چلتا ہے۔ اس کو Methematical Simulator کہتے ہیں۔ میں نے کہا: جب آپ کے پاس ایسی مساواتیں ہیں جو پکا حساب بتا دیتی ہیں تو آپ بھی پکی بات کریں۔ کہنے لگی: جی! بات یہ ہے کہ ان مساواتوں میں چھ ہزار پیرامیٹرز ایسے ہیں جو Variables (متغیرات) ہیں، ان میں سے کسی ایک کے بدلنے سے بھی رزلٹ بدل سکتا ہے۔

میں نے پوچھا: آپ کا یہ بتانے کا مقصد کیا ہے؟ کہنے لگی: دنیا کا کوئی انسان کبھی بھی گارنٹی کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا چاہے کتنا بڑا سائنس دان ہو، کہ آج چاند کہاں اور کس جگہ پر ہوگا۔ اس میں شبے کی ہی گنجائش ہوگی، معلوم نہیں کہ ان چھ ہزار میں سے کوئی ایک پیرامیٹر بدل جائے اور چاند کی پوزیشن میں فرق آ جائے۔

میں نے اس کی بات سن کر کہا: الحمدللہ! صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا:

صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ

''چاند دیکھ کر روزہ رکھ لو اور چاند کو دیکھو تو افطار کر لو۔''

دنیا نے ٹھوکریں کھائیں، ریسرچ کی، سائنس کے پیچھے لگے رہے۔ بیسیوں سالوں کی محنت کے بعد بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ بھئی! یہ تو اب یہ بات کر رہے ہیں اور ہمارے محبوب ﷺ نے تو چودہ سو سال پہلے ہی یہ بتا دیا تھا۔

اس مثال سے آپ اچھی طرح سمجھ جائیں گے کہ انسان ٹھوکریں کھا کھا کے جو باتیں سمجھتا ہے، شریعت نے وہ باتیں ہمیں پہلے ہی بتا دی ہیں۔ اس لیے اپنے نئے تجربے کرنے کی ضرورت نہیں، مومن کو چاہیے کہ بس سر جھکائے اور اسلام کی تعلیمات پر قدم بڑھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر ہر حکم ہماری سلامتی کا حکم ہے۔ اس میں ہمارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اس میں کسی قسم کی نقصان کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ سو فیصد پکی بات ہے۔

ایذائے مسلم سے اجتناب کی تعلیم:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں۔"

یہ دین اسلام میں مسلمان کی تعریف بتائی گئی ہے کہ مسلمان کون ہوتا ہے۔ اس حدیث پاک میں کچھ طالب علمانہ نکات ہیں۔

...... پہلی بات تو یہ کہ یہاں سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ کیوں کہا؟ سَلِمَ النَّاسُ کیوں نہیں کہا؟ بھئی! سارے انسان ہی سلامتی میں ہونے چاہییں ...... اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان معاشرے میں رہتے ہوئے اکثر و بیشتر مسلمانوں سے لین دین کا معاملہ کرنا ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں کے بارے میں کہہ دیا تو دوسرے لوگ بھی اسی

ضمن میں خود بخود شامل ہو گئے۔ للا کثر حکم الکل۔

......اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ مُسْلِمُوْن کہا ہے، مُسْلِمَات کا تذکرہ

نہیں ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مردوں کی بات کر دی تو عورتیں خود

بخود اس میں شامل ہیں۔

......زبان اور ہاتھ کیوں کہا؟......اس لیے کہ تکلیف کا باعث عام طور پر یہی دو چیزیں ہی بنا کرتی ہیں۔قول سے اور فعل سے۔قول ہوتا ہے زبان سے اور فعل ہوتا ہے ہاتھوں سے۔

...... ہاتھ پر زبان کو مقدم کیوں کہا گیا؟ ہاتھ بڑا ہے، اور زبان چھوٹی ہے، اس لیے ہاتھ کو مقدم کرتے۔اگر عورت یہ حدیث پڑھے تو وہ کہے گی کہ مردوں کے ہاتھ بہت چلتے ہیں لہٰذا ہاتھ کو مقدم کرنا چاہیے، اگر مرد حدیث پڑھیں تو وہ کہیں گے کہ نہیں، عورتوں کی زبان بہت تیز چلتی ہے لہٰذا یہ بالکل ٹھیک ہے کہ زبان کو مقدم کیا۔تو بھئی! اب فیصلہ کون کرے کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ اس میں کئی حکمتیں ہیں۔مثال کے طور پر:

انسان ہاتھوں سے جو ایذا پہنچاتا ہے وہ فقط ان لوگوں کو پہنچاتا ہے جو حاضر ہوتے ہیں۔لیکن زبان سے ایذا اپنے گزرے ہوئے لوگوں کو بھی پہنچا سکتا ہے۔حال کے لوگوں کو بھی اور آنے والی نسلوں کو بھی ایذا پہنچا سکتا ہے۔اس لحاظ سے چونکہ زبان سے ایذا پہنچانے کا دائرہ کار ہاتھ سے بہت زیادہ ہے اس لیے نبی ﷺ نے اس کو مقدم فرمایا۔

- ہاتھ سے لگا ہوا زخم مندمل ہو جاتا ہے جبکہ زبان سے لگا ہوا زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا۔
- کچھ تعلقات ایسے ہوتے ہیں جن کو انسان ہاتھ سے نہیں کاٹ سکتا، زبان ان

تعلقات کو بھی کاٹ کے رکھ دیتی ہے۔ اکثر آپ دیکھیں گے کہ جو انسان ہاتھ سے ایذا پہنچاتا ہے اس کی زبان بھی ضرور کچھ نہ کچھ بول رہی ہوتی ہے۔ مثلاً: آ میں تجھے دیکھتا ہوں..... میں تجھے یہ کرتا ہوں۔ وہ کرتا ہوں اس لیے زبان کو ہاتھ پر مقدم کیا گیا۔

⊙ حدیث پاک میں لسان کا تذکرہ کیوں کیا؟ جبکہ زبان سے تو ایذا نہیں پہنچ سکتی، زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے، قول سے، کلام سے ایذا پہنچتی ہے.....نہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی مرتبہ دوسرے کا دل جلانے کے لیے زبان کو نکال کر اشارہ کر دیتے ہیں۔ منہ سے زبان نکال کر دوسرے کا منہ چڑا دیتے ہیں۔ کوئی لفظ نہیں بولتے۔ معلوم ہوا کہ زبان کی ایذا فقط بولنے تک ہی نہیں۔ زبان نکالنے سے بھی ایذا پہنچائی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے زبان کے کلام کی بات نہیں فرمائی۔ فقط من لسانہ کا تذکرہ فرمادیا۔

⊙ حدیث پاک میں ہاتھوں کا تذکرہ کیا، پاؤں کا تذکرہ نہیں کیا، کیوں؟ اس لیے کہ ہاتھ عام طور پر پورے جسم کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو لوگ کہتے ہیں: ''اس کے بڑے لمبے ہاتھ ہیں'' کہتے ہیں: ''اس میں کسی کا ہاتھ نظر آتا ہے۔'' لگتا ہے کہ اس میں ہمارے کسی مخالف کا ہاتھ ہے۔'' گویا جب کسی کی فخر اندازی کا تذکرہ کرنا ہو تو اس کے ہاتھوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں: ''آؤ جی! میرے ہاتھ مضبوط کرو۔'' ان تمام باتوں میں ہاتھ پورے جسم کی نمائندگی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے پاؤں کا تذکرہ نہیں کیا، ان تمام باتوں میں ہاتھ پورے جسم کی نمائندگی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے پاؤں کا تذکرہ نہیں کیا، فقط ہاتھوں کا تذکرہ کیا ہے۔

بھئی! مومن، شر کو پسند کرنا تو کیا شر پر راضی بھی نہیں ہوا کرتا، یعنی مومن شر پر نہیں ہوتا بلکہ وہ مسلمان ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے لیے راحت جان بنتا ہے۔

......گھر والوں کے لیے راحتِ جان

......پڑوسیوں کے لیے راحتِ جان

......بچوں کے لیے راحتِ جان

......بڑوں کے لیے راحتِ جان

......اپنوں کے لیے راحتِ جان

......پرایوں کے لیے راحتِ جان

......دوستوں کے لیے راحتِ جان، حتیٰ کہ

......دشمنوں کے لیے بھی راحتِ جان بن کر رہتا ہے۔ اس کی ہر ممکن کوشش ہوگی کہ میری ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ ہاں! کئی مرتبہ ایسا ہوسکتا ہے کہ میل جول والے دوست زیادہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہر ایک کے ساتھ ایسا معاملہ رکھ نہیں پاتا، تو اسے مجبوری پر محمول کیا جائے گا۔ ورنہ دل سے پوچھو تو:

...... ہر ایک کا احترام دل میں

...... ہر ایک کی محبت دل میں

...... ہر ایک کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا

اس کا ہر ایک کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ ایسے بندے کو مومن کہتے ہیں ایسے بندے کو مسلمان کہتے ہیں۔ میرے دوستو! ہم اپنے دلوں میں جھانک کے دیکھیں کہ ہم نے اللہ کی مخلوق کو کتنا ستایا ہوا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ بنا کہ

"مسلمان وہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کو ایذا دینے والے اعمال ترک کر دے۔"

یہ اس حدیث کا لب لباب ہے۔ صحابہ کرام اس کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔

مسلمان بھائی کی عزتِ نفس کا خیال:

عبداللہ بن عباس ﷺ کی روایت ہے۔ صحابہ کرام ﷺ موجود ہیں۔ نماز کا وقت

قریب ہے۔ محفل میں کچھ بد بو سی محسوس ہوئی۔ اس سے پتہ چلا کہ کسی کا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ جس کا وضو ٹوٹا اگر وہ اٹھ کر جاتا تو لوگوں کے سامنے اس کو شرمندگی ہوتی۔ وہ آپس میں اتنے شیر و شکر تھے، اتنا پیار تھا، اتنی محبت تھی کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھتے ہیں: اے اللہ کے نبی! کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم سب جائیں اور دوبارہ وضو کر کے آئیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔ چنانچہ جتنے لوگ بیٹھے تھے سب نے جا کر نیا وضو کیا تا کہ یہ نہ پتہ چلے کہ کس کا وضو ٹوٹا تھا اور اسے شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے۔ یہ ہوتا ہے مسلمان، جو اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مجھ سے راحت ملے۔ راحت جان بن کر رہتا ہے وبال جان بن کر نہیں رہتا۔

خانقاہیں......تربیت گاہیں:

یہ باتیں سیکھنے کے لیے انسان کو خانقاہوں میں آنا پڑتا ہے کیونکہ یہ ایسی باتیں ہیں جو ماں باپ گھروں میں نہیں سکھا پاتے۔ کیونکہ بچے سے ماں باپ کو لاڈ پیار کا تعلق بھی ہوتا ہے۔ اور وہ اس لیے بھی اسے نہیں سکھا پاتے کہ اگر وہ بیٹے کی ایک بات پر ٹوکیں گے تو بیٹا آگے سے باپ کی دو باتیں دکھا دے گا۔ یہی تو آجکل مدارس میں مصیبت بنی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ عاجز نے مدرسے کے ایک استاد صاحب سے پوچھا: جی! آپ جب طلبا کو پڑھاتے ہیں تو ان کو ساتھ ساتھ آپ سمجھاتے کیوں نہیں؟ تربیت کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے: جی! یہ کام تو آپ لوگ کریں۔ پوچھا: وہ کیوں؟ کہنے لگے: جی! طلبا بڑے ہوتے ہیں، سمجھدار ہوتے ہیں، اگر ہم ان کی ایک بات کو ٹوکیں گے تو وہ ہماری دس باتوں کو ٹوک دیں گے، اس لیے ہم یہ کھاتہ کھولتے ہی نہیں۔ پھر کہنے لگے: جی! آپ لوگ چونکہ اسی کام میں لگے ہوتے ہیں، یہ تعلق بھی عقیدت کا ہوتا ہے، آپ ڈانٹ بھی دیں گے تو وہ سن لیں گے اور اگر آپ سمجھائیں

گے تو وہ مان بھی لیں گے، اس لیے یہ کام آپ ہی کریں، یہ کام ہم سے نہیں ہوسکتا...... واقعی! ان کی بات سمجھ میں آئی کہ مجبوریاں بھی ہیں۔ تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایک عقیدت اور محبت کا تعلق دیا ہوتا ہے اس لیے کسی کو نرمی سے سمجھا دیا جاتا ہے تو کسی کو ذرا گرمی سے سمجھا دیا جاتا ہے۔ نرمی اور گرمی دونوں کا مقصد سمجھانا ہوتا ہے۔ دل میں کسی کے بارے میں کینہ نہیں ہوتا۔

جو بندہ اس حقیقت کو سمجھ گیا اس کی اصلاح کا راستہ آسان ہوگیا۔ چنانچہ اگر آپ سے کوئی آج کا سبق پوچھے تو آپ بتا سکتے ہیں کہ آج کا سبق ہمیں یہ ملا ہے کہ ہم مسلمان تب بنیں گے جب مسلمانوں کو ایذا دینے والے اعمال چھوڑ دیں گے...... اچھا! اگر گھر جا کر بیوی نے پوچھا کہ پیر صاحب نے کیا سکھایا، تو کیا آپ وہاں بھی یہ بتائیں گے؟ مصیبت بن جائے گی۔ جب بیوی کو پتہ چل جائے گا کہ پیر صاحب نے کیا سکھایا ہے تو وہ تو شیرنی بن جائے گی..... تو انسان حقیقی معنوں میں تبھی مسلمان بن سکتا ہے جب کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے والے اعمال ترک کردے۔ بس آج آپ نے اس نکتے پہ سوچنا ہے، رات میں جب تک سو نہیں جاتے، یا کل صبح تک جب تک آپ اگلے درس میں آ نہیں جاتے۔ اس چیز کو ہر بندہ سوچے کہ میں کہاں کہاں اور کس کس کے دل کو ایذا پہنچاتا ہوں۔ اگر اس پر آج رات آپ نے سوچ لیا اور جس جس انسان کو آپ نے ایذا پہنچائی اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگیں گے اور اس بندے سے بھی معافی مانگ لیں گے۔ تو بس سمجھیے کہ نسبت کا نور ملنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دروازے کو کھول دیا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دوسروں کے لیے راحت جان بن کر رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ
قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن

بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

بمقام: جامع قاسم العلوم ملتان

بتاریخ: 19 مارچ 2004

اقتباس

علامہ قرطبیؒ نے یہ بات نقل کی ہے کہ جب بھی کسی بندے کی موت آتی ہے تو ملک الموت اس کی روح قبض کرتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی بڑا ولی، کتنا بڑا مقرب اور کتنا ہی بڑا صاحب روحانیت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن جب کسی شہید کی شہادت کا وقت آتا ہے تو اللہ رب العزت ملک الموت سے فرماتے ہیں، ملک الموت! یہ بندہ میرے نام پر جان قربان کر رہا ہے، لہٰذا تو ذرا پیچھے ہٹ جا! اس کی روح میں خود قبض کروں گا۔ لہٰذا شہید کی روح کو اللہ رب العزت خود قبض فرماتے ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ (الاحزاب:۳)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى مَقَامٍ آخَر

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيَآئُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾

(البینة: ۵)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

قربانی کا پیغام:

اسلامی سال کی ابتدا محرم کے مہینے سے اور اس کا اختتام ذوالحجہ کے مہینے پہ ہوتا ہے۔ محرم میں بھی قربانی کا پیغام ہے اور ذوالحجہ میں بھی قربانی کا پیغام ہے۔ محرم میں ہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی محرم میں

پیش آیا۔ اور ذوالحجہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی۔ ابتدا بھی قربانی سے اور انتہا بھی قربانی پہ۔ اس میں مومن کے لیے ایک پیغام ہے کہ تمہاری اس دنیا کی زندگی کا مقصد، اپنا سب کچھ اللہ کے لیے قربان کر دینا ہے ؎

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

لہٰذا ہمارا مقصد اللہ کے دین پر اور اس کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کرنا ہے۔

مخلوقات میں قربانی کا دستور:

دستور یہ ہے کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ چیز پر قربان ہوتی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو زمین کے اندر جو نمکیات ہیں وہ نباتات پر قربان ہوتے ہیں، یہ نمکیات ان کی غذا بنتے ہیں۔ چنانچہ نمکیات کی غذا لے کر زمین کے اندر سے درخت اور پھول نکلتے ہیں۔ اور یہ جو نباتات ہیں یہ سارے کے سارے حیوانات کے لیے قربان ہوتے ہیں۔ زمین میں سے چارہ نکلتا ہے اسے کاٹ کر جانور کے آگے رکھا جاتا ہے۔ وہ اسے کھاتے اور چباتے ہیں۔ اور اگر آپ غور کریں تو یہ حیوانات انسان کے لیے قربان ہوتے ہیں۔ بکری کے گلے پہ چھری پھیری جاتی ہے، اسے ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت انسان کی غذا بنتا ہے۔ ہر ادنیٰ چیز کسی اعلیٰ چیز کے لیے قربان ہو رہی ہے۔ نمکیات نباتات کے لیے قربان، نباتات حیوانات کے لیے قربان، حیوانات انسان کے لیے، اور انسان اپنے رب رحمان کے لیے قربان ہوتے ہیں۔

زندگی کا گوہرِ مقصود:

لہٰذا بندے کی زندگی کا مقصد اپنا سب کچھ اللہ رب العزت کے نام پر قربان کر

دینا ہے۔اپنا مال، اپنی جان اور اپنا سب کچھ اللہ کے لیے قربان کر دینا ہے۔ یہ مقصدِ زندگی ہے۔اس لیے جو انسان اللہ کے راستے میں بڑی سے بڑی قربانی دے، وہ اللہ رب العزت کے زیادہ سے زیادہ مقرب بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔مومن کی تھوڑی سی زندگی قربانیوں کا سبق ہے۔ دین کے لیے تنگی اٹھانا، مجاہدہ کرنا اور مشقتیں برداشت کرنا مومن کی زندگی ہے ؎

میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے
انہی پتھروں پہ چل کے گر آ سکو تو آؤ

قربِ الٰہی کے حصول کی شرط:

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے راستہ ذرا دشوار ہے۔ بندہ وہاں مشقتوں سے پہنچتا ہے۔

رب لئی تج کرنا پیندا اے آسائشاں نوں ، آراماں نوں
کنڈیاں تے وی چلنا پیندا اے گل بدناں نوں ،گل فاماں نوں

کتنا ہی کوئی نازک بدن کیوں نہ ہو اسے دین کے لیے قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ جو انسان بھی اللہ رب العزت کا قرب چاہتا ہے۔ اسے قربانیوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔حالات کے اعتبار سے ہر ایک کے لیے نوعیت مختلف ہوتی ہے، مگر قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ بہر حال اس راستے کو طے کرنے میں انسان کو بہت بلند ہمت رکھنا پڑتی ہے ؎

بڑے کٹھن ہیں راستے جو آ سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی کے فاصلے مٹا سکو تو ساتھ دو
ہزار غم ہیں یہاں ، ہزار آزمائشیں
ہزار غم ہزار بار اٹھا سکو تو ساتھ دو

صحابہ کرام ؓ میں قربانی کی تڑپ:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا۔ اس لیے وہ اللہ کے دین کی خاطر قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ بلکہ اس کے لیے وہ دعائیں مانگتے تھے۔

جنگ احد کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ سعد بن ابی وقاص ؓ اور عبداللہ بن جحش ؓ دونوں دوست ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے سنی ہے کہ جب مجاہد اللہ کے راستے میں نکلتا ہے تو اس راستے میں اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے بھی یہ بات سنی ہے، اب ایک نے کہا کہ میں دعا کرتا ہوں آپ آمین کہنا اور آپ دعا کرنا میں آمین کہوں گا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات دعا کرتے ہیں۔ حضرت سعد ؓ نے پہلے دعا کی۔ دعا یہ مانگی کہ اے اللہ! کل میرا مقابلہ ایک بڑے قوی دشمن سے ہو، وہ مجھ پر وار کرے اور میں اس پر وار کروں اور خوب مقابلہ ہو۔ اے اللہ! میں اس پر ایک ایسا وار کروں کہ وہ قتل ہو جائے اور دشمن کے سرغنہ کو مارنے کی سعادت مجھے نصیب ہو جائے۔ دوسرے نے کہا: آمین۔ اب دعا مانگنے کی باری حضرت عبداللہ ابن جحش ؓ کی تھی۔ انہوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! کل میرا مقابلہ ایک قوی دشمن سے ہو، وہ مجھ پر وار کرے اور میں اس پر وار کروں۔ اے اللہ! اس مقابلہ میں وہ ایک ایسا وار کرے کہ مجھے تیرے راستے میں شہید کر دے۔ پھر وہ میری آنکھوں کو بھی نکال دے اور میرے کانوں کو بھی کاٹ دے اور میں اس حال میں قیامت کے دن تیرے حضور پیش کیا جاؤں۔ اے اللہ! پھر آپ مجھ سے پوچھیں کہ میرے بندے! تیری آنکھوں اور کانوں کو کیا ہوا؟ میں عرض کروں کہ اے اللہ! یہ نذرانہ میں تیرے نام پر پیش کر کے آیا ہوں۔ دوسرے نے آمین کہا۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور دونوں حضرات کی دعائیں قبول ہو گئیں۔ سعد ؓ اس

دعا کو یاد کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر شہید ہونے اور قربان ہونے کے لیے وہ تڑپتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے۔

تمنائے فاروقی رضی اللہ عنہ:

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں رات کے وقت قیام فرمایا۔ رات کو جب سوئے اور تہجد کے وقت آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ آسمان پر چودھویں کا چاند نور برسا رہا ہے، ماحول میں بھی ٹھنڈک ہے، ہر طرف چاندنی ہی چاندنی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ قبولیتِ دعا کا وقت ہے۔ یہ رحمتوں کے نزول کا وقت ہے۔ اسی وقت آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور دل کی تمنا پیش کی، اے اللہ! میرے دل کی یہ تمنا ہے:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ قَبْرِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ

''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں دفن ہونے کی سعادت نصیب فرما۔''

اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں کتنی تڑپ ہوا کرتی تھی۔ اللہ رب العزت کی محبت کا یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ اللہ کے نام پر جان بھی قربان کر دیتے تھے۔ اور احسان بھی اللہ تعالیٰ کا مانتے تھے۔ گویا زبانِ حال سے یہ کہتے تھے:

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

معذور صحابی رضی اللہ عنہ کا کٹ مرنے کا جذبہ:

اللہ رب العزت کی محبت کا راستہ بھی عجیب ہے۔ صحابہ کرام میں سے ایک معذور

صحابی تھے، حضرت امر بن جموع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وہ اپنی ٹانگوں سے معذور تھے اور اپنا توازن بھی قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ ان کے چار بیٹے جہاد میں شریک تھے۔ ان کے دل میں تمنا اٹھی کہ میں بھی جہاد میں شریک ہوں۔ نبی علیہ السلام سے آکر اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کے تو چار بیٹے جہاد میں شریک ہیں، آپ گھر میں ہی رہیں تو ٹھیک ہے۔ عرض کی کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پن کے باوجود جنت میں چلا جاؤں۔ نبی علیہ السلام نے اجازت عنایت فرما دی۔ گھر آئے اور اہلِ خانہ سے کہا کہ میرے جہاد کے سفر کی تیاری کرو، چنانچہ گھر میں تیاریاں ہونے لگیں۔ بیوی کا خاوند کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہوتا ہے، انکی بیوی نے دل لگی کے طور پر ہمت بندھانے کے لیے کہہ دیا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ میدانِ جہاد سے بھاگ کر واپس آجائیں گے۔ جیسے ہی یہ سنا دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِی

''اے اللہ! مجھے میرے اہلِ خانہ کی طرف نہ لوٹانا''

چنانچہ جہاد میں گئے۔

فَقَتَلَ وَ قَتَلَ حَتّٰی قُتِلَ

''انہوں نے قتال در قتال کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے''

انکی اہلیہ جب لاش لینے کے لیے گئیں تو سواری واپس چلتی ہی نہ تھی۔ نبی علیہ السلام کی خدمت میں معاملہ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ جانے سے پہلے گھر میں کوئی بات ہوئی؟ انہوں نے سارا واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب اس کی لاش بھی گھر کی طرف واپس نہیں جائے گی۔ جس قوم کے معذوروں کا یہ حال ہو اس کے صحت مندوں کا کیا حال ہوگا؟

بچوں میں قربان ہونے کا جذبہ:

جنگِ بدر کے موقع پر دو چھوٹے چھوٹے بچے معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما میدان میں کھڑے ہیں۔ تلوار بڑی ہے اور ان میں سے ایک کا قد اپنی تلوار سے بھی چھوٹا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کہ میرے ساتھ کون ہیں تاکہ ہم مل کر کفار سے جہاد کریں۔ مجھے دو چھوٹے چھوٹے بچے نظر آئے۔ مجھے خیال آیا کہ اگر کوئی بڑا جوان ہوتا تو اچھا تھا۔ اتنے میں وہ بچے میرے قریب آئے اور پوچھنے لگے کہ چچا! آپ کو پتہ ہے کہ ابوجہل کہاں ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ اتنے چھوٹے بچے اور وہ کفار کے سرغنے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ بچو! آپ کیوں پوچھ رہے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ وہ ہمارے محبوب ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے، ہم نے عہد کرلیا ہے کہ وہ زندہ لوٹ کر گھر واپس نہیں جائے گا یا ہم اپنے گھروں کو واپس نہیں جائیں گے۔ جس قوم کے بچوں کا یہ عالم ہو اس قوم کے جوانوں کا عالم کیا ہوگا! اور واقعی ان دو بچوں نے بالآخر ابوجہل کو مارا۔ جب جہاد شروع ہوا تو وہ اتنے چھوٹے تھے کہ کسی نے ان کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ اور یہ اندر سے سب گھوڑوں کے درمیان سے پیدل بھاگتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر وار کیا تو گھوڑا گرا اور گھوڑے کے گرنے سے ابوجہل بھی گرا۔ انہوں نے اس پر وار کر کے اسے زخمی تو کردیا مگر یہ اتنے چھوٹے تھے اس کا گلا بھی نہیں کاٹ سکتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اللہ نے یہ سعادت عطا فرمائی، وہ آگے بڑھے اور انہوں نے ابوجہل کا گلا کاٹ دیا۔

صحابیہ رضی اللہ عنہا میں قربانی کی تڑپ:

گھروں کے اندر عورتیں دین کی خاطر قربانی دینے کے لیے تڑپتی تھیں۔ ایک دفعہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ جہاد کی تیاری کرو۔ مدینہ طیبہ میں ایک صحابیہ اپنے چھوٹے سے بچے کو گود میں لے کر بیٹھی ہے اور زار و قطار رو رہی ہے۔ رو کیوں رہی ہے......! اس لیے کہ اس کا خاوند پہلے ہی کسی جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔ اور گھر میں کوئی مرد نہیں تھا کہ جس کو تیار کر کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بھیج سکے۔ رو رو کر جب طبیعت ہلکان ہو گئی تو اپنے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اس بچے کو جہاد کے لیے قبول فرمایئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اتنا چھوٹا بچہ جہاد میں کیسے شریک ہو سکتا ہے! عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے اس بچے کو ایسے مجاہد کے حوالے کر دیجیے کہ جس کے پاس ڈھال نہ ہو۔ تا کہ جب وہ مجاہد جہاد میں جائے اور سامنے سے دشمن تیروں کی بارش برسائے، تو وہ تیروں سے بچنے کے لیے میرے بیٹے کو آگے کر دے، میرا معصوم بیٹا تیروں کے روکنے کے کام آ سکتا ہے۔ جس قوم کی عورتوں کا یہ عالم ہو اس قوم کے مردوں کی عالم کیا ہوگا......!

وہ لوگ تڑپتے تھے اللہ کے راستے میں قربان ہونے کے لیے۔ اللہ اکبر!

فتوح الشام...... مجاہدین کی داستان:

فتوح الشام ایک کتاب ہے جو علامہ واقدی نے لکھی ہے۔ آجکل اس کا اردو ترجمہ بھی ملتا ہے۔ نوجوانوں کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کتاب کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت کیسے ٹھاٹھیں مارتی تھی اور وہ اللہ کے نام پر قربان ہونے کے لیے ہر

وقت تیار ہوتے تھے۔

اس کتاب میں اور صحابہ کے علاوہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بہت سارے واقعات ہیں۔ ایک اور صحابی ہیں حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ، ان کے واقعات ہیں، بلکہ وہ تو اس کتاب کے ہیرو نظر آتے ہیں۔ کیا عجیب واقعات اس کتاب میں ہیں......! سبحان اللہ! حضرت ضرار رضی اللہ عنہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر بغیر زین کے جہاد کے لیے چلے جاتے تھے۔ ننگے بدن کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ نہ کوئی ڈھال اور نہ کوئی دوسرا ساز و سامان مگر جہاد کر رہے ہیں۔ شیر کی طرح حملہ کرتے تھے۔ دشمن کے دل دہلتے تھے۔ جو لوگ بھی سامنے آتے انہیں گاجر مولی کی طرح کتر دیا کرتے تھے۔

نقاب پوش مجاہدہ:

ایک مرتبہ شام کے وقت لڑائی ختم ہوئی اور مسلمان حضرات پیچھے ہٹے تو حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو نہ پایا۔ خالد بن ولید بڑے حیران ہوئے۔ فرمایا کہ جا کر شہیدوں میں تلاش کرو، ان میں بھی نظر نہ آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اب دوبارہ حملہ کرنا چاہیے تاکہ پتہ چلے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ جب دوبارہ حملہ کیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک سوار کو دیکھا جس کا گھوڑا تازہ دم تھا اور اس نے چہرے پر ڈھاٹا باندھا ہوا تھا۔ جیسے چہرے کو نقاب کی شکل میں باندھ لیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے قریب قریب رہتا۔ کئی مرتبہ جب میں دشمن کے نرغے میں آتا تو وہ مجھے نکالتا اور وہ نرغے میں آتا تو میں اسے نکالتا۔ اس طرح مل کر ہم نے جہاد کیا۔ جب لوگوں کو ہم نے پکڑا اور ان سے پوچھا کہ بتاؤ ہمارے اس مجاہد کا کیا بنا؟ انہوں نے کہا کہ جناب ان کو تو گرفتار کر کے پیچھے بھیج دیا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ پیچھے ہٹتے ہیں۔ چنانچہ پیچھے ہٹے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس نقاب پوش مجاہد نے اس

قدر قتال کیا تھا کہ اس کے گھوڑے کا پورا بدن خون سے تر بتر تھا، میں اس کی بہادری کو دیکھ کو بڑا متاثر ہوا، لہٰذا میں نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ اے مجاہد! تو کون ہے؟ تو جواب میں خاموشی تھی۔ دوبارہ پوچھا: اے مجاہد! تو کون ہے؟ تو پھر بھی جب خاموشی دیکھی تو میں نے کہا دیکھو! میں لشکر کا سپہ سالار ہوں، میں تجھ سے حکماً پوچھ رہا ہوں کہ بتاؤ تو کون ہے؟ اس پر دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی اور بتانے والی نے بتایا کہ میں ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کی بہن خولہ رضی اللہ عنہا ہوں۔ اور حضرت! میں نے پیشگی اجازت اس لیے نہ مانگی کہ آپ صاف انکار فرما دیتے۔ اور جب بھائیوں پر مصیبتیں آتی ہیں تو بہنیں ہی تو کام آیا کرتی ہیں۔ میرے بھائی کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا۔ آپ اجازت دیجیے کہ ایک قافلہ ان کی تلاش کے لیے نکلے۔ ایسی ہمت کی بات کی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فوراً ان کی تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ خیر! اللہ کی شان کہ ان کو راستے ہی سے چھڑا کر لے آئے۔

محبت کا کرشمہ:

یہ تو تھوڑا بیک گراؤنڈ کے طور پر بتا دیا مگر اصل تو ایک عجیب واقعہ آپ کو سنانا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ جہاد کرتے ہوئے دشمن کے گھیرے میں آ گئے۔ اسی حالت میں کئی گھنٹے لڑتے بھڑتے ان کا گھوڑا تھک گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ گھوڑے کو بھگائیں مگر گھوڑا اتنا تھک چکا تھا کہ بھاگنا مشکل تھا۔ چاروں طرف ان کے دشمن تھے اور انہوں نے بھی دیکھ لیا تھا کہ اب گھوڑا بھاگ نہیں سکتا۔ انہوں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا تاکہ انہیں زندہ گرفتار کر سکیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب دشمن میرے اتنے قریب آ رہے ہیں تو یہ زیادہ متفکر ہوئے اور گھوڑے کی لگام کھینچی مگر گھوڑا تھکن کی وجہ سے آگے بڑھتا ہی نہیں تھا۔ کتاب میں لکھا ہے کہ یہ اس وقت گھوڑے پر آگے جھکے اور اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے: اے گھوڑے! تو

تھوڑی دیر کے لیے میرا ساتھ دے دے ورنہ میں نبی ﷺ کے روضے پر جا کر تیری شکایت کروں گا۔ یہ الفاظ کہنے تھے کہ گھوڑا اہنہنایا اور ایسے بھاگنے لگا جیسے تازہ دم ہو۔ انہوں نے دشمن کا حصار توڑا اور گھیرے سے باہر تشریف لے آئے۔ گھوڑے تھک جاتے تھے مگر مجاہد نہیں تھکا کرتے تھے، کیسے لوگ تھے.....!

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ

''یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ سے وعدہ سچ کر دکھایا''

ان کی زندگی کے ان حالات کو پڑھ کر حیران ہوتے ہیں۔ وجہ کیا تھی......؟ ان کے دل اللہ رب العزت کی محبت سے لبریز تھے۔ اس لیے اللہ کے نام پر قربان ہو جانا ان کی زندگی کا مقصد ہوتا تھا۔ وہ لوگ استقامت کے پہاڑ تھے۔ اور اللہ رب العزت کو یہی استقامت پسند ہے۔

گھوڑے کی وفاداری کی اللہ کے ہاں قدر:

دیکھیں! ایک گھوڑے کے اندر کتنی وفاداری ہے، اس کا مالک اسے کھلاتا ہے، پلاتا ہے، پالتا ہے تو گھوڑے کو پتہ ہوتا ہے کہ میرے مالک نے مجھے کسی مقصد کے لیے پالا ہے۔ جب اس کا مالک اس پر سوار ہو کر میدانِ جہاد میں پہنچتا ہے تو گھوڑے کو پتہ ہوتا ہے کہ سامنے دشمن کی صفیں ہیں۔ مالک گھوڑے کو بھاگنے کے لیے اپنی ایڑھی کا اشارہ کرتا ہے تو گھوڑا بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ سامنے سے دشمن کے تیر آ رہے ہیں اور گھوڑے کے جسم میں لگ رہے ہیں، اس کے جسم سے خون نکلتا ہے مگر اس گھوڑے کو اتنی سمجھ ہے کہ میرے مالک نے اسی وقت کے لیے مجھے کھلایا پلایا تھا۔ اب میں ثابت کروں گا کہ میں وفادار ہوں، پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ تو گھوڑا اپنے زخموں کی بھی پروا نہیں کرتا اور دشمن کی صفوں میں گھستا چلا جاتا ہے۔ آگے سے تیر ہو، تفنگ ہو، تلوار ہو، نیزہ

ہو یا بھالا ہو، اس کے جسم سے خون کے فوارے چھوٹتے ہیں مگر وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر اپنے مالک کو دشمن کی صفوں میں پہنچا دیتا ہے، اس لیے کہ مالک نے مجھے آج تک کھلایا اور پلایا ہے۔

جب گھوڑے نے اپنے مالک سے اتنی وفاداری کا اظہار کیا تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور مجاہد کے اس گھوڑے کے قدموں سے لگ کر جو مٹی اڑ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس مٹی کی بھی قسمیں کھائیں

ارشاد فرمایا:

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝

''سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو ہانپ اٹھتے ہیں، پھر پتھر پر ٹاپ مار آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت دھاوا کرتے ہیں''

واہ میرے مولا! آپ کتنے قدردان ہیں کہ ایک وفادار گھوڑے کے قدموں سے اڑنے والی مٹی کی بھی قسمیں کھا رہے ہیں.....تو جو مجاہد اپنی جان پیش کر رہا ہے، اللہ کے ہاں اس کا کیا مرتبہ ہوگا!

مومنانہ صفت:

تو مومن کے اندر استقامت ہونی چاہیے۔ ہم اللہ رب العزت سے آزمائش مانگیں نہیں، اس لیے کہ ہم کمزور ہیں، آزمائش کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن اگر وقت آ جائے تو پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس کے نام پر پلے اور جس کے نام کا کھایا، آج اس کے نام پر قربان ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

حالاتِ حاضرہ میں قربانیوں کی ضرورت:

حالات اس تیزی سے بدل رہے ہیں کہ کوئی نہیں جانتا کہ مستقبل میں کیا پیش

آنے والا ہے۔ بالخصوص علما اور طلبا جو دین کے محافظ ہیں انہیں اس دین کی حفاظت کے لیے اور زیادہ قربانیاں دینا پڑ سکتی ہیں۔

اکابر علمائے دیوبند کی قربانیاں:

پہلے بھی ایسا ہوا، ہمارے اکابرینِ دیوبند نے دین کے لیے قربانیاں پیش کیں۔ تب یہ دین بحفاظت ہم تک پہنچا ہے۔ اگر وہ حضرات قربانیاں نہ دیتے تو آج دین ہم تک اس طرح نہ پہنچ پاتا۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ انکی قربانیوں کا آج ہمیں فائدہ ہوا کہ ہم دین کے اوپر زندگی گزارنے میں آج اس قدر آسانیاں محسوس کرتے ہیں۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ قربانی:

ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر غداری کا مقدمہ چلا اور فرنگی کی عدالت (جناح) ہال کراچی میں ان کی پیشی ہوئی۔ مولانا محمد علی جوہر اور بہت سارے دوسرے اکابرین بھی وہاں جمع تھے۔ فرنگی نے بلایا اور کہا کہ حسین احمد! یہ جو تم نے فتویٰ دیا ہے کہ انگریز کی فوج میں شامل ہونا حرام ہے، اس کی اجازت نہیں، تمہیں پتہ ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں مجھے پتہ ہے اس کا نتیجہ کیا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا نتیجہ ہے؟ حضرت کے کندھے پر ایک سفید چادر تھی، حضرت نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کا نتیجہ ہے۔ فرنگی نے کہا کہ کیا مطلب؟ فرمایا کہ یہ کفن ہے، میں اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں تاکہ تم اگر مجھے پھانسی بھی دے دو گے تو کفن میرے پاس ہوگا۔ مولانا محمد علی جوہر نے حضرت کے پاؤں پکڑ لیے اور عرض کیا کہ حضرت! تھوڑا سا ذو معنی سا جواب دے دیں جس سے آپ بچ جائیں کیونکہ ہمیں آپ کی بڑی ضرورت ہے، آپ ہمارے سر کا تاج ہیں، آپ جیسے

اکابر ہمیں پھر نہیں ملیں گے۔ مگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اس وقت عجیب شان تھی۔ سبحان اللہ!

فرنگی کہنے لگا: حسین احمد! تمہیں کفن لانے کی کیا ضرورت تھی؟ جس کو حکومت پھانسی دے، اس کو کفن بھی حکومت دیتی ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اگر چہ کفن حکومت دیتی ہے، لیکن میں اپنا کفن اس لیے ساتھ لایا ہوں کہ فرنگی کے دیے ہوئے کفن میں مجھے اللہ کے حضور جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میں قبر میں تمہارا کفن بھی لے کر نہیں جانا چاہتا۔ ہمارے اکابر کیا استقامت کے پہاڑ تھے......! اللہ اکبر کبیرا۔

اس قسم کے آپ کو کتب کے اندر سینکڑوں واقعات ملیں گے۔

جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق:

حضرت سعید بن جبیر ؓ بڑے تابعین میں سے ہیں۔ ان کو حجاج بن یوسف نے گرفتار کرا لیا۔ اسکو آپ سے مخالفت تھی۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

اس نے آپ کو اپنے سامنے بلایا اور پوچھا: تمہارا نام؟

آپ نے فرمایا: سعید بن جبیر ؓ

اس نے کہا: مجھے تو تم شقی بن کسیر لگتے ہو۔

سعید کے بالمقابل شقی جس کا معنی ہے "بد بخت" اور جبیر کہتے ہیں "اصلاح کی ہوئی چیز" اور کسیر کسر سے ہے جس کا معنی ہے ٹوٹی ہوئی چیز۔

انہوں نے جواب دیا: جس ماں نے میرا نام رکھا وہ مجھے تم سے بہتر جانتی تھی۔

حجاج نے کہا: تو بھی بد بخت، تیری ماں بھی بد بخت۔

انہوں نے آگے سے جواب دیا: غائب کا علم اللہ کے پاس ہے۔

اس نے غصہ میں آ کر کہا: میں ابھی تجھے جہنم رسید کرتا ہوں۔

تو جواب میں فرمانے لگے: اگر میں تجھے اتنے اختیار والا سمجھتا کہ تو مجھے جہنم میں بھیجنے کے قابل ہے تو میں تجھے سجدہ کرنا شروع کر دیتا۔

اس جواب پر وہ بڑا زچ ہوا۔ حالانکہ موت کے وقت تو بندے کا گلا ہی خشک ہو جاتا ہے، آواز ہی نہیں نکلتی اور ان کو دیکھیں کہ شیر کی طرح آگے سے گرج کر جواب دے رہے ہیں۔

حجاج کہنے لگا: اچھا تم کیسے قتل ہونا پسند کرو گے؟

جواب میں فرمانے لگے: جیسے آپ خود قتل ہونا پسند کریں، میں بھی ویسے ہی پسند کروں گا۔

بڑا پریشان ہوا، کہنے لگا: اچھا میں جلاد کو بلاتا ہوں۔

اس نے جلاد کو بلایا اور کہا کہ اس کو قتل کر دو! تو جیسے ہی انہوں نے سنا تو وہ تیار ہونے لگے۔

حجاج نے پوچھا: تمہاری کوئی آخری خواہش اور تمنا؟

فرمایا: ہاں! دو رکعت نفل پڑھنا چاہتا ہوں۔

کہنے لگا: ٹھیک ہے پڑھ لو۔

انہوں نے دو رکعت تو پڑھیں مگر بڑی خفیف اور ہلکی، جلدی جلدی مکمل کر لیں۔

اس پر حجاج بڑا حیران ہوا اور کہا: مشہور تو ہے کہ تم بڑی لمبی نماز پڑھتے ہو اور آج تو دو رکعت تم نے بڑی ہلکی پڑھیں۔ اس کی کیا وجہ؟

جواب میں فرمایا: میں نے آج نماز ہلکی اس لیے پڑھی کہ تمہارے دل میں یہ گمان نہ ہو کہ موت کے ڈر کی وجہ سے یہ اپنی نماز لمبی کر رہا ہے۔ اس لیے مختصر نماز پڑھی۔

اس نے کہا: اچھا اس کو لٹاؤ!

جب انہوں نے آپ کو لٹایا تو انہوں نے فوراً اپنا چہرہ قبلہ کی طرف کیا اور یہ

عا:

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام۷۹)

''سب سے یکسو ہو کر میں نے اپنے منہ کو اسی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائی''

اس پر اس کو غصہ آیا اور اس نے کہا کہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف سے پھیر دو۔ تو ں نے ان کا چہرہ قبلہ کی طرف سے پھیر کر رخ بدل دیا، تو وہ پڑھنے لگے:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ ۱۱۵)

''پس تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے''

اس نے کہا کہ اس کا چہرہ زمین کی طرف کر کے اوندھا لٹا دو، جب ان کو اوندھا تو زمین پر لیٹ کر پڑھنے لگے:

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی﴾ (طٰہٰ ۵۵)

''اسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں لوٹائیں گے اور دوبارہ اسی سے نکالیں گے''

جب انہیں شہید کیا گیا تو اتنا خون نکلا اتنا خون نکلا کہ جگہ ہی ساری خون سے بھر ۔لوگ بھی حیران اور حجاج بن یوسف بھی حیران تھا۔ اس نے اطبا سے پوچھا کہ یہ معاملہ ہے؟ بڑے لوگوں کو قتل کیا گیا مگر بس تھوڑا سا خون نکلتا تھا، لیکن آج تو اتنا ن نکلا کہ حیران ہیں۔ اطبا نے جواب دیا کہ علم طب کی رو سے یوں محسوس ہوتا ہے پہلے لوگوں کو جو قتل کیا جاتا تھا، ان کے دل میں موت کا خوف سوار ہوتا تھا، اس ے کی وجہ سے ان کا خون خشک ہو جاتا تھا۔ تو قتل کرنے کے باوجود تھوڑا سا خون نکلتا تھا۔ اس بندے کو جو قتل کیا گیا تو لگتا ہے کہ موت کا خوف تھا ہی نہیں، لہٰذا جتنا

خون تھا اصل حالت میں باقی رہا اور ان کی شہادت کے بعد سارا خون جسم سے با·
نکلا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ موت کا خوف ان کے دلوں میں تھا ہی نہیں۔ کیسے لوگ
تھے!

غیر اللہ کے خوف سے خالی دل:

ایک بزرگ تھے، ان کو بادشاہ نے بلوایا اور غصے میں ان کو بھوکے شیر کے آگے
ڈال دیا، اور کہا کہ میں خود بھی تماشہ دیکھوں گا۔ جب انہیں شیر کے پنجرے میں ڈالا
دیا گیا تو شیر آیا اور ان کے قدموں میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے کتا اپنے مالک کے پاؤں
چاٹنے لگ جاتا ہے۔ وزیر بڑا سمجھدار تھا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ دیکھو! یہ کوئی اللہ
مقبول بندہ ہے، اس سے ابھی معافی مانگ لو! وگرنہ انہوں نے اگر بددعا کر دی ت
تمہاری آئندہ نسل ہی برباد ہو جائے گی۔ بادشاہ نے اسی وقت ان بزرگ کو بلوایا او
اپنی پگڑی ان کے قدموں میں رکھ دی اور معافی مانگی اور ان سے کہا کہ میں آپ کو
واپس گھر بھیج رہا ہوں۔ چنانچہ وہ گھر پہنچ گئے۔ اب بیوی تو سمجھ رہی تھی کہ میرے
خاوند کو آج شہید کر دیا گیا۔ لیکن جب اس نے اچانک اپنے خاوند کو دیکھا تو بڑی
حیران ہوئی۔ اور پوچھا کہ آپ زندہ سلامت کیسے واپس آ گئے؟ انہوں نے سارا
واقعہ سنایا کہ یہ واقعہ پیش آیا اور بادشاہ نے مجھے گھر بھیج دیا۔ اب بیویاں تو پھر بیویاں
ہوتی ہیں۔ اس کے ذہن میں ایک بات آئی اور خاوند سے کہنے لگی کہ اچھا! ایک بات
ذرا سچ بتانا۔ انہوں نے کہا کہ کیا بات؟ کہنے لگی کہ جب بھوکا شیر تمہاری طرف آیا
تو تمہیں ڈر تو بہت لگا ہوگا، تو بتاؤ کہ اس وقت کیا سوچ رہے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ
جب شیر میری طرف آ رہا تھا تو میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں شیر کا لعاب
پاک ہوتا ہے یا ناپاک ہوتا ہے۔ یعنی ذرا برابر بھی ان کے دلوں میں خوف نہیں تھا۔
یہ تھے ہمارے اکابر۔

حق پرست مجاہد کی للکار:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے روم کے بادشاہ ہرقل کو خط لکھا کہ:

اِنَّ مَعِیَ قَوْمٌ یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ کَمَا تُحِبُّوْنَ الْخَمْرَ

''میرے ساتھ ایک ایسی قوم ہے جو موت کو یوں محبوب رکھتی ہے جس طرح تم شراب کے پیالے کو''

یہ سب کس لیے تھا؟ اللہ کے نام پر جان دینا، یہ ان کی زندگی کا مقصد تھا۔

دیدۂ عبرت لے اے مردِ ضعیف!

آج ہمیں اپنے اندر استقامت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم جان تو کیا قربان کریں گے، اللہ کے نام پر ہم اپنی خواہشات کو بھی قربان نہیں کر پاتے۔ ذرا سوچیے کہ ہم نے کس مقام پر پہنچنا تھا اور ہم کہاں کھڑے ہیں!؟ جو ناجائز خواہشات کو بھی قربان نہیں کر سکتے، وہ جانیں کیا قربان کریں گے! وہ اپنا سب کچھ کیسے قربان کریں گے! شیطان ذرا سی پھونک مار دے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی وقت گناہ کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ استقامت اسے تو نہیں کہتے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے مقبول بندے بنیں تو ہمیں اپنے اندر استقامت پیدا کرنا ہوگی، اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا ہوگا۔ ہمیں اپنی زندگی کو شریعت کے اوپر لانا ہے، پھر اس بات کی دلیل ملے گی کہ واقعی یہ بندہ اپنا سب کچھ اللہ کے لیے قربان کرنا چاہتا ہے۔

ایک عمر رسیدہ صحابیہ رضی اللہ عنہا کی قربانی کی داستان:

یہاں تک آپ کو جوانوں کی باتیں سنائیں۔ چلیں، ذرا اپنے بوڑھوں کا حال بھی سن لیجیے۔ اور بوڑھے بھی مرد نہیں بلکہ ایک عورت کا واقعہ سناتے ہیں۔ حضرت

اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ جب آپ بوڑھی ہو گئیں تو آنکھوں کی بینائی چلی گئی، موتیا بند سا آ گیا۔ بڑھاپے میں نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اسی طرح حجاج نے ایک لشکر بھیجا اور چاہتا تھا کہ ایسے حق گو بندے کو قتل کر دیا جائے۔ دنیا کے یہ حکام اسی طرح کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ کسی کو دیکھتے ہیں کہ یہ حق کی بات کرے گا اور جھکے گا نہیں، تو وہ چاہتے ہیں کہ اس کا کانٹا ہی نکال دیا جائے۔ ان کے ساتھ بھی اس نے ایسا ہی کیا۔

چنانچہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چند اور ساتھی بھی تھے، لیکن سامنے لشکر بہت بڑا تھا۔ ان کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہونے لگے۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ گھر کے قریب ہی تھے۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ اب تو میں تھوڑے وقت کے بعد شہید کر دیا جاؤں گا، لہٰذا میں اپنی والدہ کے پاس جاؤں اور آخری وقت میں دعا لے لوں۔ جب دل میں یہ بات آئی تو وہ گھر میں داخل ہوئے، والدہ کو ملے اور کہنے لگے کہ امی! میں اب تھوڑی دیر کے بعد شہید کر دیا جاؤں گا۔ ماں نے پوچھا: بیٹا! تم حق پر ہو کہ نہیں؟ عرض کیا: امی! میں حق پر ہوں، آپ جانتی بھی ہیں۔ فرمانے لگیں: بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو پھر تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھیں! بوڑھی ماں اپنے جوان بیٹے سے یہ کہہ رہی ہے۔ آگے سے انہوں نے کہا کہ امی! مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ یہ لوگ مجھے شہید کریں گے اور میری لاش کا مثلہ کریں گے، میری لاش کا قیمہ بنا دیں گے اور مسخ کر دیں گے۔ آگے سے بوڑھی ماں جواب دیتی ہے کہ بیٹے! جب بکری کو ذبح کیا جاتا ہے تو پھر اس کی بوٹیاں بنانے کی اسے تکلیف نہیں ہوا کرتی۔ تو تمہارا اگر قیمہ بنا دیں گے تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ماں یہ بات کر رہی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے دعا کے لیے کہا اور اجازت مانگی۔ تو ماں نے تین دعائیں دیں۔ ایک دعا یہ دی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ میرا وہ بیٹا ہے جو سردیوں کی لمبی رات تیرے سامنے

قیام کی حالت میں گزار دیا کرتا تھا۔ اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے جو گرمیوں کے لمبے دن کی سختی اور گرمی روزے کی حالت میں برداشت کیا کرتا تھا۔ اور اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے جس نے ماں باپ کے دل کو خدمت کے ساتھ خوش کیا۔ میرے اس بیٹے کی مدد فرمانا اور اسے استقامت عطا فرمانا۔ اس کے بعد فرمانے لگیں کہ بیٹا! میری بینائی نہیں کہ تمہارا چہرہ دیکھ سکوں، اب تم ذرا میرے قریب ہو جاؤ، میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارا بوسہ لوں اور تمہارے جسم کی خوشبو سونگھ لوں۔

جس قوم کی بوڑھی عورتوں کا یہ عالم ہو اس قوم کے جوان مردوں کا عالم کیا ہوگا!؟ یہ تھا اللہ کے نام پر جان دینا اور قربانی دینا۔ دین کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینا ان کے لیے آسان ہوتی تھی۔

شہادت کی تمنا:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ”جس مومن کے دل میں شہادت کی تمنا نہ ہو اور اس کو دین کے راستے میں کوئی تکلیف بھی نہ آئے، یہ مرے گا تو ایک قسم کی منافقت پر اس کو موت آئے گی“ ہر بندے کے دل میں شہادت کی تمنا ہونی چاہیے۔ ہم اس قابل تو نہیں ہیں، اس لیے آزمائش مانگیں نہیں، مگر دل کے اندر ایک تمنا تو ہونی چاہیے۔

قطرۂ شہادت کی قیمت:

اللہ رب العزت کو شہید بہت محبوب ہوتا ہے۔ سنیے اور ذرا دل کے کانوں سے سنیے! شہید کا مرتبہ دیکھیے، حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب کوئی بندہ شہید ہوتا ہے تو اس کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ رب العزت اس کے سب گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ خون کا قطرہ زمین پر بعد میں گرتا ہے، اللہ رب العزت اس کی مغفرت پہلے فرما دیتے ہیں۔

غسلِ شہادت:

عام دستور تو یہ ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی میت کو غسل دینا چاہیے۔ چاہے وہ کوئی ولی ہو، ابدال ہو، قطب ہو، یا اپنے وقت کا بڑا بزرگ ہو، شریعت کا حکم ہے کہ اسے غسل دے دیا جائے کیونکہ اس نے اپنے مالک کے سامنے پیش ہونا ہے، اسے تیاری کروائی جائے۔ لیکن جو آدمی شہید ہوا، اب اس کا مرتبہ دیکھیے، اللہ! اس شہید کو بھی نہلا دیں؟ اللہ نے اپنا ضابطہ بدل دیا، فرمایا: ہرگز نہیں، یہ میرا بندہ جو خون میں نہا چکا، اب اسے دنیا کے پانی سے نہلانے کی ضرورت نہیں۔

شہید کی نرالی شان:

کوئی بھی ولی، قطب، ابدال فوت ہوتا ہے، شریعت کا حکم ہے کہ اس کو کفن پہنا دو، یونیفارم پہنا دو کیونکہ اس نے مالک کے سامنے پیش ہونا ہے۔ لیکن جب شہید کی باری آئی تو ضابطہ ہی بدل دیا۔ پروردگار! کیا ہم اس کو بھی یونیفارم پہنا دیں؟ فرمایا: ہرگز نہیں۔ جن کپڑوں پر خون کے داغ لگ چکے، اب مجھے اس کے یہ کپڑے بھی اچھے لگتے ہیں۔ اس کو کفن پہنانے کی بجائے انہیں کپڑوں میں دفن کر دیا جائے تا کہ قیامت کے دن میرا بندہ خون کے دھبوں کے پھولوں والا گلدستہ میرے سامنے پیش کر سکے۔

شہید کی روح کا اکرام:

علامہ قرطبی نے یہ بات نقل کی ہے کہ جب بھی کسی بندے کی موت آتی ہے تو ملک الموت اس کی روح قبض کرتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی بڑا ولی، کتنا بڑا مقرب اور کتنا ہی بڑا صاحب روحانیت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن جب کسی شہید کی شہادت کا وقت آتا ہے تو اللہ رب العزت ملک الموت سے فرماتے ہیں، ملک الموت! یہ بندہ میرے

نام پر جان قربان کر رہا ہے، لہٰذا تو ذرا پیچھے ہٹ جا! اس کی روح میں خود قبض کروں گا۔ لہٰذا شہید کی روح کو اللہ رب العزت خود قبض فرماتے ہیں۔

پا گئے حیاتِ جاوداں:

بڑے سے بڑا ولی فوت ہو جائے تو کہتے ہیں: جو فوت ہو گیا، میت ہے، لیکن جب شہید کا وقت آیا:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ﴾

''جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے اسے مردہ مت کہو!''

تم جانتے نہیں؟ یہ بندہ میرے نام پر جان قربان کر رہا ہے، خبردار! اسے کوئی شخص مردہ نہ کہے۔ ضابطہ ہی بدل دیا۔

﴿ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾

''یہ زندہ ہے، لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے''

اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنی سچی محبت عطا فرمائے اور دین کے اوپر سب کچھ قربان کرنے کی، اللہ رب العزت ہمیں بھی توفیق نصیب عطا فرمائے۔

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ
اَحْسَنُ اَعْمَالاً﴾
غنیمت سمجھ
زندگی کی بہار
بیان: حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
مجددی مدظلہم

اقتباس

انسانی جسم ہمیں مستعار ملا ہے، یہ ہمارے پاس امانت ہے، یہ ادھار کا مال ہے اور ادھار کے مال کے بارے میں یہ عام دستور ہے کہ انسان اسے اچھی طرح استعمال کرتا ہے، تھوڑے وقت میں اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس چیز کو کچھ وقت کے بعد اس کے مالک کو واپس لوٹانا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ ہمسائیوں سے استری عاریتاً لیتے ہیں تو آپ کی کوشش ہوگی کہ میں کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کپڑے استری کر لوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جلدی واپس لینے آ جائیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

غنیمت سمجھ زندگی کی بہار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

نصیحت ہر حال میں فائدہ مند ہے:

وَذَكِّرْ ...... ''آپ نصیحت فرمائیے۔''

﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''بے شک نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔''

یہ قرآن خدائی قانون ہے، کائنات کی صداقتوں میں سے ایک صداقت ہے، دنیا اور آخرت کی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی اس آیت کی رو سے، جب بھی نصیحت کی جائے گی وہ ایمان والوں کو نفع دے گی۔ کوئی آدمی ایمان پر کتنی بھی محنت کر چکا ہو، ایمان کی بلندیوں کو اس نے چھو لیا ہو، تب بھی نصیحت اس کو فائدہ دیتی ہے۔

''آپ نصیحت فرمایے، نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔''

نصیحت کے فائدہ مند ہونے کی شرائط:

البتہ فائدہ ہر آدمی کو مختلف ہوتا ہے، مگر اس فائدہ اٹھانے کی کچھ شرائط ہیں۔

قرآن پاک میں ان کو بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی

''اس (قرآن) میں نصیحت ہے ان کے لیے۔''

لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ

''جن کے اندر دل ہو''

جن کے سینے میں دل ہو، سل نہ ہو۔ کبھی کبھی سینے میں سل بھی ہوتی ہے۔

اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ

''اور وہ ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھیں۔''

وَھُوَ شَھِیْدٌ

''اور حاضر باش ہو کر بیٹھیں۔''

یہ تین شرائط ہیں نصیحت کے فائدہ مند ہونے کے لیے:

☆ ......دل میں طلب ہو

☆ ......کان متوجہ ہوں

☆ ......اور انسان حاضر باش ہو

دل کی طلب والی بات تو پوری ہو گئی کہ آپ باوجود دنیا کی مصروفیات کے اپنے گھروں سے یہاں تشریف لائے۔ یہ بات دل کی طلب کی علامت ہے۔ اگر طلب نہ ہوتی تو جیسے اور بہت سارے احباب اپنے گھروں میں گھرے رہے، آپ بھی وہاں پھنسے ہوتے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو طلب والی نعمت نصیب فرما دی۔ لہٰذا اللہ رب العزت کا ارادہ خیر کا ہے۔ جب وہ بندے کو کچھ عطا کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے

راستے میں نکلنے کی توفیق فرما دیتا ہے۔

......اب دوسری شرط......اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ...... ''اور ہمہ تن گوش ہو''۔ توجہ سے بات کو سنے، اس شرط کو آپ نے اب یہاں پورا کرنا ہے۔ شیطان مختلف حیلے بہانے سے انسان کو ادھر ادھر مصروف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ بیان کے دوران مراقبے میں مزا آئے گا، جی چاہے گا کہ مراقبہ کر لیں اور مراقبہ کے بہانے شیطان نیند طاری کر دے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ شیطان چاہتا ہے کہ اب یہ آ تو گئے مگر سن نہ سکیں۔ پہلا قدم آپ نے اٹھا لیا ہے۔ اب دوسرا قدم توجہ کے ساتھ سننا ہے۔

سننا......بھی ایک کمیاب نعمت:

یہ ''سننا'' ایک نعمت ہے۔ ہر بندہ نہیں سنتا۔ آپ نے دورانِ گفتگو یہ فقرہ کئی مرتبہ استعمال کیا ہوگا کہ ''اس نے تو سنی ان سنی کر دی''۔ یعنی اس نے بات کی طرف توجہ نہیں کی۔ آج اکثر سننے والوں میں سننے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ قسمت والے ہی سنتے ہیں۔ کان تو سب کے سنتے ہیں مگر دل کسی کسی کا سنتا ہے۔ ان باتوں کو دل کے کانوں سے سننے کی ضرورت ہے۔ اس طرح تو کفار کے کان بھی سنتے تھے مگر فائدہ نہیں ہوتا تھا۔

فیض ملنے کے ذرائع:

انسان کو فیض تین طرح سے ملتا ہے۔

☆......ایک یہ کہ جو بات کہی گئی اس کو توجہ سے سنے، اس کا دل پر اثر ہوتا ہے۔ اس سے بھی فیض ملتا ہے۔

☆......دوسرا یہ کہ جب آنکھ دیکھتی ہے بیان کرنے والے کو، اس سے احساسات بندے میں منتقل ہوتے ہیں۔ جس جذبے سے بات کہی گئی، شوق سے بات کہی

گئی، درد سے بات کہی گئی۔ کہنے والے کے چہرے کے تاثرات بھی انسان کو فیض پہنچاتے ہیں۔ جس کی دلیل قرآن پاک میں بیان فرمائی:

کہ اللہ والوں کی پہچان کیا ہے؟

اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہ

''جب تم دیکھو تو تمہیں اللہ یاد آئے۔''

تو معلوم یہ ہوا کہ بسا اوقات آنکھ دیکھتی ہے تو توجہ کدھر جاتی ہے؟ اللہ کی طرف جاتی ہے۔ تو کچھ وہ باتیں جو آپ کانوں سے سنیں گے اور دل تک پہنچیں گی اور کچھ ایسے احساسات ہوں گے جو آپ آنکھ سے دیکھیں گے اور آپ کے دل پر ان کے اثرات مرتب ہوں گے۔

☆......تیسرا طریقہ یہ کہ اس دل سے ایک محنت کی جاتی ہے جو دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

فارسی میں کہتے ہیں ''اب دل سوزد، بردل روزد''

دل سے جو بات نکلتی ہے تو وہ دل میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔

اس لیے آپ نے ان تین دنوں میں ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھنا ہے، جو بھی بیان کریں اُن کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ اللہ کرے آپ کسی کو دیکھیں اور کوئی آپ کو دیکھنے والا بن جائے۔ کسی کی نظر میں رہیں۔ یہ بھی قسمت کے سودے ہوتے ہیں کہ انسان کسی اللہ والے کی نظر میں رہے۔ اہل اللہ کی نگاہ نصیب ہو جائے۔

جنتیوں کا ایک خاص وصف:

جنتیوں کا ایک خاص وصف بتایا گیا ہے۔

قرآن پاک میں فرمایا:

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ

''وہ لوگ جو بات کو سنتے ہیں اور اس پر خوب عمل کرتے ہیں۔''

لہٰذا ہم نے سننا ہے عمل کرنے کی نیت سے۔

جہنمیوں کا وصف:

جہنمیوں سے جب پوچھیں گے:

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ کیا آپ کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟

تو وہ اس کا لمبا جواب دیں گے اور خلاصہ یہ نکالیں گے:

آیا تو تھا:

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ ''اے کاش! ہم سنتے''

اَوْ نَعْقِلُ ''یا ہم سمجھتے''

وَمَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ

''تو ہم جہنم والوں میں سے نہ ہوتے۔''

یہ سننا اور سمجھنا اہلِ جنت کا وصف ہے، جہنمی اس دن اپنی اس محرومی کا شکوہ کریں گے۔ آج وقت ہے سننے کا اور سمجھنے کا۔ جو کہا جائے اسے سمجھنے کی کوشش کریں اور جو سمجھ آجائے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اہل خیر ہی سنتے ہیں:

اللہ رب العزت جسے چاہتا ہے اسے خیر کی بات سنوا دیتا ہے اور جس کو فائدہ نہیں پہنچانا ہوتا وہ سامنے بھی بیٹھا ہو تو نہیں سنتا۔ اسی لیے تو فرمایا:

وَلَوْ اَرَادَ اللّٰهُ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ

''اگر اللہ ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا تو انہیں بات سنوا دیتا۔''

نبی علیہ السلام قرآن پڑھتے تھے اور کئی ایسے کافر بھی تھے جو اس کو جادو سمجھتے تھے۔اس لیے ان پر قرآن کا اثر بھی نہیں ہوتا تھا۔تو سننا، یہ بھی اللہ رب العزت کی ایک رحمت ہے۔اس نیت سے سننا کہ ہم نے اس پر عمل کرنا ہے۔اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے: نبی علیہ السلام نے بعض صحابہ کرام سے اس بات پر بیعت لی کہ جو سنیں گے اس پر عمل کریں گے۔

اِسْمَعُوا وَاطِيْعُوا

''تم جو سنو! اس پر عمل کرو۔''

اس کی اتباع کرو، اطاعت کرو۔معلوم ہوا کہ اس کی تو بڑی اہمیت ہے۔اسی لیے کہ جو سن کر اطاعت کرتے ہیں، ان کو پروردگار کی طرف سے پھر مغفرت ملتی ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہے:

سَمِعْنَا وَاطَعْنَا

پروردگارا! ''ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔''

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ

تمہیں تو پروردگار کی طرف سے مغفرت نصیب ہوتی ہے، جو:

......سنتے ہیں

......عمل کرتے ہیں

......رب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

ضمیر کی آواز:

میرے دوستو! جن کو سننے کی عادت پڑ جائے پھر وہ اپنے ضمیر کی آواز بھی سنتا ہے۔آج وہ وقت آ چکا کہ ضمیر انسان کو پکارتا ہے، آواز دیتا ہے، چیختا ہے، اندر سے

آواز آرہی ہوتی ہے اور انسان اپنے ضمیر کی آواز پر کان نہیں دھرتا۔ اس لیے کہ اس نے سننا سیکھا نہیں ہوتا۔ ہم تو اس بات کو بھی معمولی سمجھتے ہیں کہ جی! بس سن لیا۔ نہیں! یہ سننا مستقل ایک عمل ہے، اس کو سیکھنا پڑتا ہے اور یہی شیخ نے سکھانا ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آج سے پہلے آپ کے ذہن میں اس کی اتنی اہمیت نہ ہو کہ یہ سننا بھی ایک عمل ہے۔ اس خوبی کو اپنے اندر پیدا کرنا پڑتا ہے کہ انسان اچھا سننے والا ہو۔ اور جب انسان ظاہر کی لفظی نصیحت کی بات کو توجہ سے سنتا ہے تو پھر پروردگارِ عالم اس کو اندر کی آواز بھی سننے کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ وگرنہ تو انسان بہرا ہوتا ہے، اپنے اندر کی آواز نہیں سن سکتا، دو چار نمازیں پڑھ لیں اور سمجھنے لگتا ہے کہ ہماری نیکی پر تو رب کا اجماع ہو گیا۔ اور اسے یہ نہیں پتہ ہوتا کہ نہیں، ایک کا اختلاف ہے اور وہ کون؟ وہ میرا اپنا ضمیر، اس کا مجھ سے اختلاف ہے۔ لہٰذا اپنے اندر کی آواز کو بھی سننے کی کوشش کریں۔

چونکہ یہ اس اجتماع کی پہلی محفل ہے لہٰذا اس مجلس میں کچھ ہدایات دی جائیں گی۔ وہ ہدایات کیا؟ چند اہم باتیں آپ کے گوش گزار کی جائیں گی کہ ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر آپ یہاں وقت گزار سکیں۔

مجاہدے کے بعد مشاہدہ:

انسانی جسم ہمیں مستعار ملا ہے، یہ ہمارے پاس امانت ہے، یہ ادھار کا مال ہے اور ادھار کے مال کے بارے میں یہ عام دستور ہے کہ انسان اسے اچھی طرح استعمال کرتا ہے، تھوڑے وقت میں اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس چیز کو کچھ وقت کے بعد اس کے مالک کو واپس لوٹانا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ ہمسائیوں سے استری عاریتاً لیتے ہیں تو آپ کی کوشش ہوگی کہ میں کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کپڑے استری کرلوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جلدی واپس لینے

جائیں۔

یہ جسم بھی ہمیں مستعار ملا ہے۔اپنی موت سے پہلے پہلے اس سے فائدہ اٹھا
لیے۔مجاہدہ دین کے راستے میں مشاہدہ کا سبب بنتا ہے۔اگر یہاں رہتے ہوئے آپ
ے جسم کو مشقت ملے، آرام نہ ملے اور نیند پوری نہ ہو۔بیانات میں بیٹھنے میں تکلیف
ہے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس جسم نے بڑے لطف اٹھائے ہیں، اس نے
ی لذتیں پائی ہیں۔ہمارا جسم بہت لطف اور مزے کے لمحات گزار چکا۔اگر اللہ رب
زت کے لیے اس کو کچھ تکلیف بھی اٹھانی پڑے تو پریشان ہونے کی ضرورت
ہں۔اللہ کے راستے میں نکل کر جو تکلیف بھی انسان کو پہنچتی ہے:

اِلَّا كُتِبَ لَهُم وَهِيَ عَمَلٌ صَالِحٌ

اس پر اس کے لیے نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجرَ الْمُحْسِنِينَ

ند کی ایک ولیہ کی مجاہدے کی انتہا:

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اللہ کی ایک بندی تھیں، وہ دن رات عبادت میں مشغول
ہتی تھیں۔جب رات کا کافی حصہ گزر جاتا تو اس وقت وہ دعا کرتیں، اے اللہ!
ورج ڈوب چکا رات آ چکی، دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر دیے،
للہ! تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے، میں تیرے سامنے فریاد کرتی ہوں۔ساری رات
گنے کی وجہ سے پھر اگر دن میں کبھی غنودگی آتی تو اٹھتیں اور دعا مانگتیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِكَ مِنْ عَيْنٍ لَا تَشْبَعُ مِنَ النَّوْمِ

''اے اللہ! میں ایسی آنکھ سے تیری پناہ چاہتی ہوں جو نیند سے بھرتی ہی نہیں
ہے۔''

ساری رات جاگ کر جن آنکھوں میں سرخ ڈورے پڑے رہتے، میرے

دوستو! اگر تھوڑی دیر بیٹھے بیٹھے بھی اگر ان کی آنکھیں بند ہوتی تھیں تو وہ اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔

پانچ چیزوں کی قدر:

اس لیے اگر جسم کو کچھ مشقت پہنچے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت کی قدر کیجیے۔ یہ آپ کی زندگی کا بہت اہم وقت ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

پانچ چیزیں غنیمت ہیں، انکی قدر کرو۔

☆......زندگی کی قدر کرو موت سے پہلے

☆......جوانی کی قدر کرو بڑھاپے سے پہلے

☆......فراغت کی قدر کرو مصروفیت سے پہلے

☆......مال کی قدر کرو غربت سے پہلے

☆......صحت کی قدر کرو بیماری سے پہلے

یہ پانچ نعمتیں ہیں۔ جب ان میں سے ہر ایک چیز غنیمت ہے تو پھر ہم سوچیں کہ رب نے:

......زندگی بھی دی

......جوانی بھی دی

......فرصت بھی دی

......مال بھی دیا

......صحت بھی دی

سوچیے! جس بندے کے پاس ایک وقت میں یہ پانچوں نعمتیں موجود ہوں، وہ اپنی زندگی کا کتنا قیمتی وقت گزار رہا ہوگا!! اس وقت ہم اپنی زندگی کا Prime Time قیمتی ترین اور بہترین وقت گزار رہے ہیں۔ میرے دوستو! اس وقت کی قدر

کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ ایسا ہے کہ:

اَلْوَقْتُ مِنْ ذَهَبٍ وَّ فِضَّةٍ

''یہ وقت سونے اور چاندی کی ڈلیوں کی مانند ہے۔''

......اس کی قدر کیجیے۔ یہ ہیرے اور جواہرات ہیں جو پروردگار نے ہمیں عطا کر دیے۔ ہمارے دامن سے ہر لمحے ایک ہیرا یا موتی کم ہوتا جا رہا ہے۔ یہ دولت گھٹتی جا رہی ہے۔

ہو رہی ہے زندگی مثل برف کم:

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ مجھے ایک برف والے نے نصیحت کر دی۔ حالانکہ وہ بڑے عالم تھے۔ شاگردوں نے عرض کی کہ حضرت! آپ اتنے بڑے عالم ہیں اور ایک برف بیچنے والے نے آپ کو نصیحت کی؟ فرمایا: ہاں! وہ ایسے کہ ایک دفعہ گرمی کا موسم تھا اور اچانک بادل آ گئے۔ موسم میں خنکی آ گئی۔ میں بازار سے گزر رہا تھا اور میں نے ایک برف والے کو دیکھا کہ اس کی برف پڑی ہے اور پگھل رہی ہے لیکن خریدنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ حسرت سے آنے جانے والوں کو دیکھتا ہے کہ کوئی خریدنے والا ہو۔ پھر کبھی برف کو دیکھتا ہے کہ پگھل کر تھوڑی ہوتی جا رہی ہے۔ اس پریشانی کے عالم میں اس شخص نے کھڑے ہو کر آواز لگائی: لوگو! رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ یہ پگھل رہا ہے! وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی درد بھری صدا سن کر میرے دل پر چوٹ لگی کہ اگر اس کی چند روپوں کی برف پگھل رہی ہے تو اس کو اتنا احساس ہے، میری زندگی کا لمحہ لمحہ برف کے قطروں کی مانند پگھلتا جا رہا ہے، مجھے بھی تو اس کا احساس کرنا چاہیے۔

ہو رہی ہے زندگی مثل برف کم
رفتہ رفتہ ، چپکے چپکے ، دم بدم

وقت کے سچے قدردان:

زندگی کے ان قیمتی اوقات کی قدر کرنی چاہیے۔ ہمارے بعض مشائخ نے وقت کی اتنی قدر کی کہ ممشاد دینوری رحمہ اللہ نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ خشک ستو پھانک رہے ہیں۔ پوچھا: حضرت! پانی میں ملا کر کیوں نہیں پی لیتے؟ فرمایا کہ میں نے حساب لگایا کہ پانی میں ملا کر پینے میں اور خشک کھانے میں اتنا فرق ہے کہ اگر میں خشک کھاؤں تو وقت کم لگتا ہے اور اتنا وقت بچ جاتا ہے کہ میں اس وقت میں ستر مرتبہ سبحان اللہ پڑھ سکتا ہوں۔ اس لیے گزشتہ بیس سال سے میرا یہ معمول ہے کہ میں خشک ستو کھو کر گزارا کر لیتا ہوں اور باقی وقت میں ستر مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرتا ہوں۔ ان حضرات نے اس قدر اپنے وقت کا خیال کیا۔

جنت میں بھی ایک حسرت:

عام طور پر خوشی کے عالم میں تو انسان کو کوئی غم یاد نہیں رہتا۔ جب جنت میں جائیں گے تو اس سے زیادہ کوئی خوشی کا وقت نہیں ہوسکتا۔ مگر حدیث پاک میں آیا ہے:

لَا يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَّرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْهَا

''اہل جنت کو اپنی زندگی کے ان لمحات پر حسرت ہوگی جو انہوں نے دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزارے ہوں گے۔''

اگر جنت میں جا کر بھی یہ احساس رہے گا کہ ہم نے زندگی کے چند لمحات ضائع کر دیے تو کیوں نہ! ہم دنیا میں ہی زندگی کے اوقات کو اللہ کے ذکر سے معطر کر لیں!

وقت کی قدردانی کا عجیب واقعہ:

زندگی کے اوقات کی قدر کیجیے، یہ وقت پھر نہیں ملے گا۔ ابنِ تیمیہ ایک مرتبہ قید

ہوئے۔ بادشاہِ وقت نے اپنی مرضی کا فتویٰ مانگا، انہوں نے دیا نہیں تو ان کو جیل بھیج دیا۔ بادشاہ اپنے دربار میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک نوجوان دربار میں آیا اور وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ سب لوگ اس کی جوانی، اس کی خوبصورتی اور اس کے چہرے کا نور اور فراست دیکھ کر متاثر ہوئے مگر جس درد سے وہ زار و قطار وہ رو رہا تھا یہ اس سے بھی عجیب تر بات تھی۔ لہٰذا لوگ حیران ہوکر بادشاہ کی طرف دیکھنے لگے کہ آپ اس نوجوان کی جو بھی فریاد ہے اس کو ضرور پورا کریں۔ بادشاہ نے پوچھا: اے نوجوان! آپ کس لیے آئے ہو؟ تو وہ نوجوان رو کر کہنے لگا: میں ایک فریاد لے کر آیا ہوں اور میں امید بھی رکھتا ہوں کہ میری اس فریاد کو ضرور پورا کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر بادشاہ کا دل پسیج گیا، اس نے کہا کہ تم جو کچھ کہو گے، تمہاری بات کو پورا کیا جائے گا۔ اس نوجوان نے کہا: بادشاہ سلامت! مجھے جیل بھیج دیا جائے۔ بادشاہ حیران ہو گیا کہ لوگ تو جیل سے نکلنے کی فریاد لے کر آتے ہیں اور یہ جیل میں جانے کی فریاد لے کر آیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: تم یہ فریاد کیوں لے کر آئے ہو؟ وہ نوجوان کہنے لگا کہ جس استاد سے میں سبق پڑھتا تھا، آپ نے ان کو قید کر دیا ہے۔ اب میرا سبق قضا ہو رہا ہے اور زندگی کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ آپ مجھ پر احسان فرمایئے، مجھے بھی قید میں ڈال دیں تاکہ میں اپنے استاد صاحب سے سبق تو پڑھ لیا کروں۔

جو لوگ زندگی کے اوقات کی قدر جانتے تھے وہ پھر اس طرح اپنے لحات کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ انہیں آزادی کی بجائے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا بھی آسان لگتا تھا۔

وقت کی قدردانی ہو تو ایسی:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کئی مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے ہوتے تھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے شاگرد تھے، وہ ساتھ ساتھ

پیدل چلتے اور اس وقت میں وہ ان سے سبق پڑھا کرتے تھے۔ استاد سواری پر جا رہے ہیں کہ وقت کم ہے کیونکہ کہیں پہنچنا ہے اور شاگرد اس پیدل چلنے والے راستے میں بھی اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتے تھے بلکہ علم حاصل کرتے تھے۔

امام رازی فرمایا کرتے تھے کہ:

''مجھے اس وقت پر افسوس ہے جو کھانے پینے پر لگ جاتا ہے اور میں اس وقت علمی کام سے رک جاتا ہوں''۔

ہمارے مشائخ اور علماء کو اپنے کھانے پینے کا اوقات پر بھی افسوس ہوتا تھا کہ وہ وقت علم کے بغیر کیوں گزر جاتا ہے!!!

موت سے پہلے اپنا محاسبہ کر لیجیے:

میرے دوستو! جو وقت آپ یہاں لے کر آئے یہ غنیمت ہے۔ آپ اس کے ایک ایک لمحے کی قدر کیجیے۔ اب یہ وقت آپ کا نہیں بلکہ یہ آپ اللہ کے لیے وقف کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس وقت کو اللہ رب العزت کے لیے گزاریئے۔ آپ کو جو بھی وقت یہاں پر گزرے وہ اپنے محاسبے میں گزرے۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا

''تم اپنا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے''

اور محاسبہ کیا ہوتا ہے؟ وہ یہ کہ اپنی برائیوں پر نظر ہو اور دوسروں کی اچھائیوں پر نظر ہو۔ اپنے آپ کو معاف نہ کریں۔ کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی غلطی ہو فوراً استغفار کریں۔ اس کو چھوٹا نہ سمجھیں۔ جبکہ آج یہ حالت ہے کہ انسان دوسروں کے گناہوں کا گمان ہونے پر ان سے نفرت کرنا شروع کر دیتا ہے اور اپنی برائیوں کو یقین ہوتا ہے مگر پھر بھی اپنے نفس سے محبت کرتا ہے۔ تو محاسبہ یہ ہے کہ اپنے اعمال پر نظر ڈالو اور اپنے آپ کو ضمیر کی عدالت میں کھڑا کرو۔ دنیا میں ضمیر کی عدالت سے بڑی کوئی

عدالت نہیں ہے۔ اپنے بارے میں اگر پوچھنا ہو تو دل سے پوچھیے، دل وہ گواہ ہے جو کبھی رشوت قبول نہیں کرتا۔ ہمیشہ سچی گواہی دیتا ہے۔ تو محاسبہ کیجیے۔ اپنے آپ کو دیکھیے کہ میرا اصلی چہرہ کیا ہے؟ میری حقیقت کیا ہے؟ میں پروردگار کے سامنے کس چہرے کے ساتھ کھڑا ہوں گا؟ تو ہم نے ان ایام میں اپنا محاسبہ کرنا ہے۔

دوسروں کو معاف کرنا سیکھیے:

دوسروں کی کوتاہیوں سے درگزر کر لیجیے۔ ہمارے مشائخ کا یہی دستور رہا۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کشتی میں سفر کر رہے تھے اور آپ نے حلق کروایا ہوا تھا، سر کے بال منڈوائے ہوئے تھے۔ کچھ نوجوان بھی اس کشتی میں سوار ہو گئے۔ ان کو کیا سوجھی! کہ انہوں نے آپ سے کچھ ہنسی مذاق کی باتیں شروع کر دیں، ایک نوجوان اٹھا اور اس نے آپ کے سر پر دھول لگائی مگر آپ خاموش بیٹھے رہے۔ باری باری سب نے اس طرح کی بدتمیزی کی حتی کہ تماشہ بن گیا۔ انہوں نے آپ کو بہت پریشان کیا مگر آپ نے برداشت کیا۔ اسقدر پریشان کیا کہ سارے کشتی والے ہنس رہے ہیں اور لڑکے آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اتنی جگ ہنسائی کے بعد آپ کی اس پر عجیب سی کیفیت ہوئی، تکلیف پہنچی، آپ کو دکھ اور ایذا پہنچی۔ اس پر رب کریم کی طرف سے آپ کے دل پر یہ الہام ہوا کہ: اے میرے پیارے! انہوں نے آپ کی توہین کی ہے، بے ادبی کی ہے، ہماری غیرت کو یہ گوارا نہیں۔ اگر آپ چاہیں تو یہ کشتی الٹ دی جائے اور ان سب کو غرق کر دیا جائے۔"

حضرت نے اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی کہ:

"اے اللہ! اگر آپ نے الٹنا ہی ہے تو ان کے دل کی کشتی کو الٹ دیجیے اور ان کو ہدایت عطا فرما دیجیے!"

حضرت نے جب ان کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو بدل دیا

اور ہدایت دے دی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ان سب نوجوانوں کو اپنے اپنے وقت پر اس حال میں موت آئی کہ سب اللہ کے ولی بن چکے تھے۔ اس لیے ہم نے دوسروں کی غلطی کوتاہیوں کو معاف کرنا سیکھنا ہے۔ اللہ کا مقرب بندہ بننے کے لیے یہ صفت اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے۔

نفس وشیطان کی شرارتوں کو سمجھیے!

شیطان جو کہ ہمارا ازلی دشمن ہے، اس کی پہلی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ آپ کو کسی خیر کی مجلس میں جانے ہی نہ دے اور اگر چلے گئے تو اس کی اگلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کو ادھر ادھر کی فضولیات میں مشغول کر دیا جائے تا کہ اللہ والوں کی صحبت کم سے کم اختیار کریں اور ان کا کم سے کم فائدہ ہو۔

میرے دوستو! یہ نفس کی شرارتیں ہوتی ہیں تا کہ وہ ان لمحات میں انسان کے دل کو غافل کر دے۔ اللہ رب العزت کی رحمت کے وعدے پکے ہیں، لیکن اللہ رب العزت قہار بھی ہیں، عزیز بھی ہیں، قادر بھی ہیں۔ میرے دوستو! اگر اس نے ناپ تول کر لی تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟ اسی لیے فرمایا:

مَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ

''قیامت کے دن اگر کسی کے حساب کو کھول دیا گیا، بس پھر اس کی کم بختی آجائے گی''

مشاہدۂ نفس؟

اس لیے اپنی اصلاح ابھی کر لیں تا کہ پروردگارِ عالم کی طرف سے رحمت کا معاملہ ہو۔ جو وقت آپ کا یہاں گزرے کوشش کریں کہ باوضو رہیں۔

◉...... ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کیجیے۔

- ......جب مسجد میں آئیں تو اعتکاف کی نیت کر لیجیے۔
- ......دل سے اللہ رب العزت کی طرف متوجہ رہیے۔
- ......دورانِ اجتماع معصیت کو ترک کرنے کی مشق کریں گناہوں کے بغیر شب و روز گزارنا سیکھیے۔ مثلاً:
- ......آنکھ غلط نہ دیکھے۔
- ......کان غلط نہ سنیں۔
- ......زبان سے غلط بات نہ نکلے۔
- ......دل و دماغ میں غلط خیال نہ آئیں۔

ان تین دنوں میں آپ اس کی کوشش کیجیے۔

میرے دوستو! زندگی میں کوئی ایک دن تو ایسا گزرے کہ جس میں ہم اپنے پروردگار کی نافرمانی نہ کریں۔ گناہ کو اس نظر سے نہ دیکھیں کہ چھوٹا ہے یا بڑا۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے زیادہ گناہوں کو صغیرہ فرمایا ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اے دوست! یہ نہ دیکھ کہ گناہ چھوٹا ہے یا بڑا ہے بلکہ اس ذات کی عظمت کو دیکھ جس کی تو نافرمانی کر رہا ہے۔''

حدیث پاک میں آیا ہے:

''جو دن آپ گناہوں کے بغیر گزاریں ایسے ہی ہے کہ جیسے وہ دن میری صحبت میں گزارا۔''

اگر چاہیں تو نبی علیہ السلام کی صحبت میں اور معیت میں وقت گزاریں، تو گناہوں کے بغیر دن گزارنا سیکھیں۔ یہ تین دن تو ہم فارغ کر چکے۔ اب ان تین دنوں میں ہم پوری کوشش کریں کہ ہمارے اس چھ فٹ کے جسم سے کوئی بھی گناہ سرزد نہ ہو۔ نفس کیا

کہے گا؟ کہ جی! آپ گناہوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ مگر ہم کوشش تو کر سکتے ہیں نا!

انجام اس کے ہاتھ میں ، آغاز کر کے دیکھ!
ہوئے پروں سے پرواز کر کے تو دیکھ!

حصولِ مغفرت کا بہانہ:

نیت تو کیجیے! پھر دیکھیے! اللہ کی رحمت کیسے ہاتھ پکڑتی ہے۔ کم از کم قیامت کے دن یہ تو کہہ سکیں گے کہ رب کریم! ہم نے کسی وقت ایک مجلس میں مسجد میں بیٹھ کر سچے دل سے توبہ کی تھی۔ رب کریم! اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دیا۔ اے اللہ! ہم گناہ نہیں کریں گے۔ اب آپ ہم پر رحم فرمایئے اور ہمیں گناہوں کی دلدل سے بچا لیجیے۔

قبولیتِ دعا کا ماحول:

ایسے اجتماعات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ قبولیت دعا کے لیے:

☆...... کچھ اوقات ہوتے ہیں
☆...... کچھ مقامات ہوتے ہیں
☆...... کچھ شخصیات ہوتی ہیں

اس وقت یہ تینوں نعمتیں یہاں موجود ہیں۔ آپ لوگ یہاں اللہ رب العزت کی نسبت سے اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں جو دعائیں مانگیں گے ان شاء اللہ قبول ہوں گی۔ آپ کی جو بھی پریشانیاں ہوں، تنہائی کے وقت میں، انفرادی معمولات کے وقت میں نفل پڑھیے اور اللہ سے دعائیں مانگیے۔ تہجد کے وقت میں اللہ سے مانگیے۔ جو دکھڑے مخلوق کے سامنے بیان کرتے ہیں، جو اپنی پریشانیاں لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں، میرے دوستو! ہم کیوں نہ اپنے پروردگار کے سامنے بیان کریں!! ہم اس ذات کے سامنے اپنے دکھ کھولیں جو ذات سب کی پریشانیاں دور کرنے والی ہے۔ اے میرے دوستو!

☆...... جب سب امیدیں ختم ہو جاتی ہیں تو وہ ذات جو امیدوں کی آخری کرن ہوتی ہے، ہم کیوں نہ اس ذات کی طرف متوجہ ہوں!!

☆...... جب سب سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تو وہ ذات اس وقت بھی دکھی لوگوں کا سہارا ہوتی ہے۔ ہم کیوں نہ اپنی فریادیں اس کے سامنے پیش کریں!!

لہٰذا قبولیت کے ان دنوں میں آپ فائدہ اٹھا لیجیے۔ انفرادی دعاؤں میں اپنے اعمال کی قبولیت کی دعائیں کیجیے۔

اللہ کو اپنا بنالو!

ایک بات ذہن میں رکھیے! سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے! ''شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات'' جو آدمی دنیا میں اللہ تعالیٰ سے دوستی کرنے کی کوشش کرے گا، رب کریم کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس کو قیامت کے دن اپنے دشمنوں کی صف میں کھڑا کرے۔

جب آپ یہ نیت لے کر آئے ہیں تو میرے دوستو! یہ تین دن ہمارے اور آپ کی مغفرت کا سبب بن جائیں گے۔ اللہ رب العزت ہم پر کرم فرمادیں گے۔

فکرِ دنیا کر کے دیکھی، فکرِ عقبیٰ کر کے دیکھ
چھوڑ کر اب ذکر سارے، ذکر مولیٰ کر کے دیکھ
کون کس کے کام آیا؟ کون کس کا ہے بنا؟
سب کو اپنا کر کے دیکھا، رب کو اپنا کر کے دیکھ

اللہ رب العزت ان تین دنوں میں آپ حضرات کے اعمال کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ دعا ہے کہ رب کریم ہم سب کی ان کوششوں کو قبول فرمائے اور اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمالے۔ (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (بیس جلدیں)
- مجالس فقیر (چھ جلدیں)
- لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند (سفرنامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز
- نماز کے اسرار و رموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- موت کی تیاری
- مہلک روحانی امراض
- گھریلو جھگڑوں سے نجات
- مثالی ازدواجی زندگی کے رہنما اصول
- اولاد کی تربیت کے سنہری اصول
- حیاء اور پاکدامنی
- میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی طلب میں
- شرم و حیا
- ایمان کی اہمیت
- علمِ نافع
- زبدۃ السلوک
- مغفرت کی شرطیں

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ بائی پاس جھنگ 0471-622832,625454
- معہد الفقیر گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246
- جامعہ دار الہدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، اشرفیہ منزل، فوارہ چوک ملتان 061-540513
- مکتبہ امدادیہ نزد خیر المدارس، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار [illegible] PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب نیو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد